اگست 2002

ماہنامہ

اردو دنیا

نئی دہلی

- [illegible] (Indian Education Service) [illegible]

— اشوک کمار جھا (سول سروس ٹاپر)

- یہ نہ سوچیں کہ صرف کمزور طلبہ ہی کلاسیں چھوڑتے ہیں، بہت سے ٹاپر بھی ایسا کرتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے گریڈ کے لیے کلاس کرنا ضروری نہیں ہے۔

— ایم. شکیل (ایک طالب علم)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
محکمہ ثانوی و اعلیٰ تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

نو تشکیل شدہ لسانیات اور سماجی لسانیات پینل کی پہلی میٹنگ پروفیسر او. این. کول کی زیر صدارت انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں 19 رجون 2002 کو منعقد ہوئی۔
تصویر میں (دائیں سے بائیں) پروفیسر رویندر گرگیش، پروفیسر آر. سی. شرما، ڈاکٹر اے. آر. فتیحی (پی. او.، قومی اردو کونسل)، پروفیسر او. این. کول،
پروفیسر گوپی چند نارنگ (نائب چیرمین، قومی اردو کونسل)، پروفیسر انجنی کمار سنہا اور قومی اردو کونسل میں ریسرچ اسسٹنٹ ڈاکٹر کلیم اللہ اور محترمہ مسرت جہاں۔

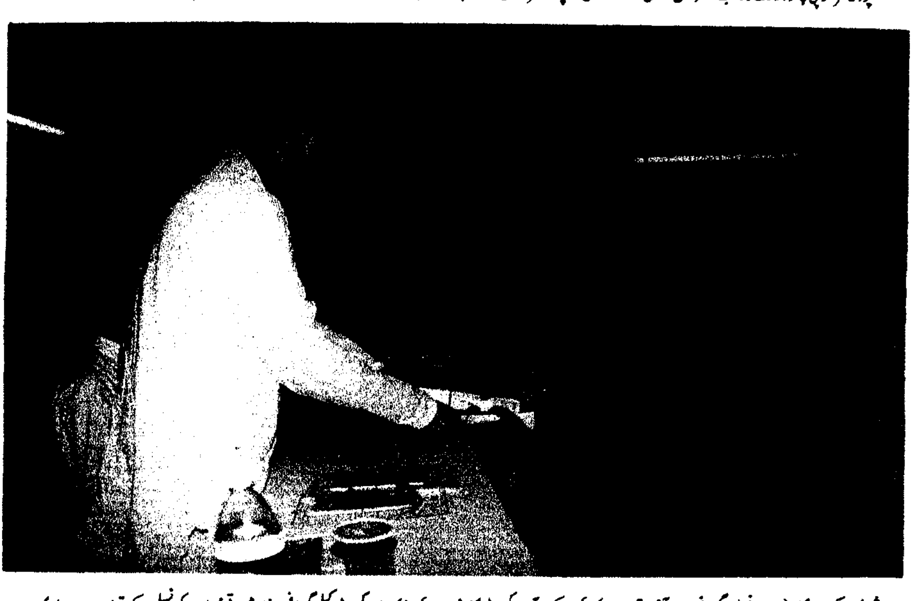

شری مانک سرکار (چیف منسٹر، گورنمنٹ آف تریپورہ)، ایم. کے. آزاد کمپیوٹر اکادمی اور ایم. ڈی. او. کمپیوٹر کیلی گرافی سینٹر میں قومی اردو کونسل کے تعاون سے جاری
ایک سالہ ڈپلومہ ان کمپیوٹر ایپلی کیشن اینڈ ملٹی لنگول ڈی. ٹی. پی. کے تقسیم اسناد کے جلسے میں طلبہ کو اسناد تفویض کرتے ہوئے۔

اس شمارے میں

آپ کی بات .... خطوط 2

ہماری بات .... اداریہ 7

تبلیغ نہیں، تعلیم کی ضرورت (گیسٹ کالم) .... آلوک رنجن جھا 8

● اتر پردیش اور اترانچل میں اردو آبادی .... اے۔ آر۔ فتیحی 11

● مقصد ترقی ہو — بین اسلامی اجارہ داری نہیں .... سید شہاب الدین 22

● نفسیات کے تناظر میں پرائمری تعلیم کے مسائل .... غلام نبی مومن 24

● اُردو کی بجھتی شمعیں — بچوں کے رسالے .... فیروز بخت احمد 29

● ہندستان میں صدر کا انتخابی عمل .... معین الدین خاں 31

گوشۂ ادب

● خواجہ حسن نظامی اور "کرشن جتی" .... ملک ٹالا 34

گوشۂ فروغ کتب

● جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندستان کی کہانی (اقتباس) .... مشیر الحسن 36

● کتب خانہ (فسانۂ آزاد سے اقتباس) .... رتن ناتھ سرشار 40

طلبہ کے لیے

● مدارس کے طلبہ کے لیے عصری تعلیم کے مواقع .... سلمان عابد 42

● میدانِ صحافت میں کیریر .... سید افتخار جعفری 45

● مائکرو سافٹ ورڈ .... عظیم صدیقی 48

● علم کیمیا (کوئز) .... معراج احمد 52

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں .... ادارہ 55

اُردو خبر نامہ .... ادارہ 61

تبصرہ و تعارف .... کتابوں پر تبصرے 73

● فلسفیانہ تجزیہ: ایک تعارف / جان ہاسپرس .... مبصر: فیروز عالم

● فلمی خاندان / کے ایس لال .... مبصر: منور حسن کمال

● اصولِ طب / حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی .... مبصر: فیضان احمد جیراجپوری

● 1857 کے غداروں کے خطوط / سلیم قریشی، سید عاشور کاظمی .. مبصر: ظفر احمد نظامی

● غالب اور ہماری تحریک آزادی / شمیم طارق .... مبصر: جی۔ ڈی۔ چندن

● قانونِ اسلامی متعلق مسلم پرسنل لاء / امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی، مبصر: عطاء الرحمٰن قاسمی

● تشکیل و تعبیر / مصنف: ناوک حمزہ پوری، مرتب: عطا عابدی .... مبصر: انوار ایرج

بچوں کا گوشہ

● تین سوال .... محمد قاسم صدیقی 79

ماہنامہ

اردو دُنیا نئی دہلی

جلد۔4، شمارہ۔8: اگست 2002

قیمت -/10 روپے سالانہ -/100 روپے

مدیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

معاون مدیر: ارجمند آرا

مشیر: مخمور سعیدی

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل محکمۂ تعلیم۔ حکومتِ ہند

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک۔ 1، ونگ۔6
آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 066 110
فون: 6103938, 6103381
فیکس: 6179657, 6108159
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.com
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

کمپوزنگ: قومی اُردو کونسل

مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد دہلی۔110006

مقام اشاعت: دفتر قومی اُردو کونسل

شعبۂ فروخت:
ویسٹ بلاک۔8، ونگ۔7،
آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066
فون: 6109746

شاخ: 5-4-4/435/20، گرین ہاؤس،
اسٹیشن روڈ، نام پلی، حیدر آباد 500 001 (A.P.)
فون: 4615139

آپ کی بات

■ **گلزار بوسکیانا، پالی ہل باندرہ (ویسٹ)، ممبئی-50**

بہت اچھا لگا کہ "اردو دنیا" میں آپ (مخمور سعیدی) نے تبصرہ کیا میرے مجموعے "رات پشمینے کی" پر — اور مشکور ہوں کہ اتنی تفصیل سے لکھا میرے بارے میں۔

■ **سید شہاب الدین، مدیر ماہنامہ "مسلم انڈیا"، N-44، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-25**

"اردو دنیا" کا جون 2002 کا شمارہ زیر نظر ہے۔ بہار اور جھارکھنڈ میں اردو آبادی پر مقالہ خوب ہے لیکن ایک ذرا سی غلطی نظر آتی ہے جس کی تصحیح کر دینی چاہیے۔ صفحہ 15 پر ٹیبل 8 کا عنوان "اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی" ہونا چاہیے۔ میں نے ایک بار بہار کے اضلاع کی آبادی کا گراف بنایا تھا۔ بالعموم ہر Index میں جیسے جیسے مسلم آبادی بڑھتی ہے تعلیمی اور معاشی اور اقتصادی Index نیچے آتی ہے۔

■ **پروفیسر وی. کٹ شاستری، ڈائرکٹر راشٹریہ سنسکرت سنستھان، 56-57 انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی-58**

راشٹریہ سنسکرت سنستھان کو ڈیمڈ یونیورسٹی میں تبدیل کیے جانے کے موقع پر، افتتاحی تقریب میں آپ کی شرکت کے لیے ممنون ہوں۔ آپ کی آمد نے تقریب میں چار چاند لگا دیے۔

مجھے امید ہے ادارے کو آپ کا تعاون اور رہنمائی حاصل رہے گی۔

■ **اکبر حیدری کشمیری، ہمدانیہ کالونی، بمنہ، سری نگر-190010**

ماہنامہ "اردو دنیا" جون 2002 (صفحہ 76) میں جناب شبنم آرا صاحبہ کا فاضلانہ تبصرہ "تحقیق غالب کالی داس گپتا رضا" مرتبین محمد عارف خان و ثاقب صدیقی نظر سے گزرا۔ تبصرہ نگار نے ذیل کے دو شعر بھی درج کیے ہیں:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب بھی گردن جھکائی دیکھ لی

محترمہ شبنم آرا نے پہلا شعر ایک گمنام شاعر بالاجی ترمبک ذرہ برہان پوری اور دوسرا اموجی رام موتی شاگرد مصحفی کی تصانیف سے قرار دیے ہیں۔ اگر موصوفہ جناب کالی داس گپتا رضا کے ماخذ لکھنے کی زحمت فرماتیں تو زیادہ بحث کی گنجائش نہ رہتی۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مشہور مرثیہ گو شاعر مرزا دبیر ابتدا میں غزلیں بھی کہتے تھے۔ ثابت لکھنوی مرحوم نے اپنی کتاب "حیات دبیر" مطبوعہ لاہور 1913 میں دبیر کے تین دیوان غزلیات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے راقم الحروف نے ایک دیوان کا مخطوطہ دبیر کے پرپوتے مرزا محمد صادق مرحوم کے پاس لکھنؤ میں ایک طائرانہ نظر سے دیکھا تھا۔ صادق صاحب نے چند شعر لکھ کر بھی دیے تھے۔ ان میں یہ دو شعر بھی قابل ذکر ہیں۔

سر کے کٹنے کا مجھے کچھ غم نہیں
غم نہ آجائے تری تلوار میں

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

چونکہ دبیر کا یہ دیوان اس وقت پیش نظر نہیں ہے اس لیے مذکورہ شعر کے بارے میں مزید کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ لیکن یہ کہنا مناسب ہے کہ موتی کی طرف منسوب کردہ یہ شعر مجھے موتی کے نام سے کسی تذکرے میں نظر نہیں آیا۔

ہاں! پہلے شعر (فقیرانہ آئے..... الخ) کے بارے میں راقم پوری ذمے داری کی بنا پر کہہ سکتا ہے کہ یہ شعر میر تقی میر کا ہے اور اسے میر کے سوا کسی اور کے نام سے منسوب کرنا انتہائی گمراہ کن ہے۔ اگر ہمارے دوست آنجہانی کالی داس گپتا رضا نے میر تقی میر کے اس شہرۂ آفاق شعر کو کسی گمنام شاعر کے کھاتے میں ڈال دیا ہے تو مجھے اس پر کوئی تعجب نہیں کیوں کہ موصوف کبھی کبھی آرائش کتاب کے لیے ہوا میں بھی باتیں کیا کرتے تھے۔

یاد رہے کہ میر کے انتقال کے فوراً بعد کلیات میر کا پہلا ایڈیشن کلکتہ سے 1811 میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد جتنے بھی ایڈیشن آج تک شائع ہوتے رہے ہیں ان میں زیر بحث غزل (فقیرانہ آئے.....) 13 شعر میں غلط اور ناقص چھپی ہے۔ جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں میر کی اس غزل کو نقل کر کے شامل کیا ہے ان سے بھی کئی فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ بخوف طوالت یہاں صرف ایک غلطی کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ کلیات میر اور دوسری متعلقات میر میں شعر اس طرح چھپا ہے :

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حق بندگی ہم ادا کر چلے

تمام قلمی نسخوں میں شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح درج کیا گیا ہے:

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گھسی"

اردو کا محاورہ ہے جبیں کا گھسنا اور جبیں کا جانا کوئی محاورہ نہیں، بلکہ لغو ہے۔ دراصل میر نے یہ غزل "نکات الشعراء" ترتیب دینے کے بعد 1165ہجری (مطابق 1752) کے بعد دہلی میں 14 شعر میں تصنیف کی تھی اور میر حسن نے "تذکرۂ شعرائے ہندی" کی پہلی صورت 1188ھ (1774) میں اسے شامل کیا تھا۔ اس کے بعد یہ غزل اکثر و بیشتر قدیم تذکروں میں ملتی ہے۔ علاوہ بریں میں نے مختلف کتب خانوں میں دیوانِ میر کے کوئی تین پرانے قلمی نسخے دیکھے ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں بکثرت نسخے موجود ہیں۔ ان کی تفصیلات میرے مرتب کردہ دیوانِ میر نسخہ محمود آباد (1789) اور دیوانِ میر نسخہ لاہور (نقوش میر تقی میر نمبر شمارہ 125) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ تمام قلمی اور پرانے تذکروں میں غزل کا مطلع اس طرح ہے:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
کہ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

راقم نے نسخہ محمود آباد اور نسخہ لاہور میں پانچواں غیر مطبوعہ شعر پہلی مرتبہ دریافت کیا ہے:

پڑے ایسے اسباب پایانِ کار
کہ ناچار یوں جی جلا کر چلے

تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں غزل کا مقطع یہ ہے:

کہیں کیا، جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

غرض کہ میر کے اس مسلمہ شعر کو کسی معمولی شاعر سے منسوب کرنا سخت ناانصافی ہے۔ امید ہے کہ آپ یہ مراسلہ "اردو دنیا" میں شائع کر کے اس غلطی کا ازالہ کریں گے۔

■ سید صفی اللہ، 36، پورن پرکاش روڈ، بالاجی نگر، چنئی-600014

"اردو دنیا" کے تازہ شمارے میں "ڈاکٹر ذاکر حسین اور اردو تعلیم" پر جناب محمد شاہد حسین کا مضمون نہایت فکر انگیز بھی ہے اور بے باک بھی۔ بے باکی بے شک حقائق کا صحیح چہرہ سامنے لاتی ہے لیکن کبھی کبھی یہ بیزاری میں بھی بدل جاتی ہے جو قاری میں بددلی پیدا کر دیتی ہے۔ اس مضمون میں یہی ہوا ہے۔ شاہد صاحب خاتمے کو پہنچتے پہنچتے بیزاری کا شکار ہو گئے ہیں۔

معلوم نہیں شاہد صاحب کو یہ غلط فہمی کیسے ہوگئی کہ اردو کا نصاب کسی بھی دوسری ہندستانی زبان کے نصاب سے کمتر درجے کا ہے۔ چاہے وہ این سی ای آر ٹی کی اردو درسی کتابیں ہوں یا دوسرے صوبوں کی، جہاں تک مواد اور زبان کا معیار ہے، اطمینان بخش ہی نہیں قابل ستائش بھی ہے اور کتابیں نہایت دیدہ زیب چھپتی ہیں۔ تمل ناڈو، مہاراشٹر اور آندھرا پردیش کی کتابوں کو ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ دوسری بات انھوں نے اردو میڈیم کے بارے میں کہی ہے۔ اردو والے علاقائی زبانوں کے میڈیم کو اردو میڈیم پر ترجیح دینے لگے ہیں تو وہ نصاب یا کتابوں کے گرے ہوئے معیار کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بعض دوسری مجبوریوں کی وجہ سے۔

اپنے مضمون میں شاہد حسین صاحب نے اردو نصاب اور اردو میڈیم کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ اردو میڈیم میں اردو زبان کا نہیں سائنس کا نصاب ہوتا ہے، تاریخ و جغرافیہ کا نصاب ہوتا ہے اور ان اسباق پر اردو میں لکھی گئی کتابیں اردو میڈیم کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ شاہد صاحب کو شکایت ہے کہ یہ دوسری زبانوں سے ترجمہ کر دی جاتی ہیں۔ یوں تو دوسری زبانوں میں بھی یہ کتابیں ترجمہ ہی ہوتی ہیں۔ ترجمہ ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ترجمہ ٹھیک ہونا چاہیے۔

شاہد صاحب کے اس مضمون میں دیگر باتیں بھی عجیب سی لگتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ "ذاکر صاحب نے اردو کے لیے اتر پردیش کی علاقائی زبان کا مطالبہ کر کے ایک طرح سے مگرمچھ کے منہ میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔" یہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ذاکر صاحب نے ایسا کیا تو کیا غلط کیا۔ ذاکر صاحب اردو اور اردو لسانی اقلیت کے وکیل تھے اور وکیل اس بات کی وکالت کرتا ہے جو سچ ہے۔ اگر وہ جج بن جائے تب بھی سچائی نہیں بدلتی۔

شاہد صاحب نے ڈاکٹر ذاکر حسین اور مولانا آزاد کا موازنہ کرنا چاہتے ہوئے بھی ایک بات میں ان کا مقابلہ کر ہی دیا کہ "تقسیم کے بعد یہی دو قومی رہنما ہندستان میں موجود تھے جن میں خالص تعلیمی فراست کے مردِ میداں ذاکر صاحب کی زندگی کا اختتام ایسے قومی رہنما کے طور پر ہوا جس سے مسلمانوں کو شکایتیں تھیں اور ہیں۔ دوسری طرف سیاسی طور پر کہیں زیادہ زیرک مولانا آزاد نے قومی سیاست کے مشاق شناور کی طرح وزارت تعلیم کا قلمدان سنبھالا اور قومی سیاسی زندگی کا اہم جز بننے کے باوجود وہ اپنی مسلم دوستی کی شبیہ برقرار رکھ پائے۔"

تقسیم ہند کے وقت یا اس سے پہلے ذاکر صاحب کی حیثیت اس قدر سیاسی نہ تھی جس قدر مولانا آزاد کی تھی۔ خود شاہد صاحب نے انھیں تعلیمی فراست کا مرد میداں کہا ہے۔ ذاکر صاحب کی شخصیت اردو لسانی اقلیت کے پاس اہم اور اعلیٰ مرتبت ضرور تھی لیکن اس سے زیادہ ان کی شخصیت کانگریس

کے لیے پسندیدہ اور بہت سی باتوں میں قابلِ قبول تھی۔ جیسا کہ خود شاہد صاحب نے کہا ہے یقیناً ذاکر صاحب "اردو لسانی اقلیت" کے رہنما تھے لیکن مولانا آزاد "پوری مسلم قوم" کے لیڈر تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آزادی کے فوراً بعد مولانا آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی حیثیت یکساں نہیں تھی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کا تعلق "مطالبہ کرنے والے" طبقے سے تھا۔ مولانا آزاد وزیر تھے، برسرِ اقتدار طبقے (پارٹی) کے فرد تھے۔ دیا تو دے سکتے تھے یا دلا سکتے تھے۔ مگر ڈاکٹر ذاکر حسین کی پوزیشن یہ نہ تھی۔ وہ صرف مطالبہ کر سکتے تھے، سو انھوں نے کیا۔ لیکن جب اس جگہ پہنچے جہاں سے دیا جاسکتا ہے تو وہ کچھ نہیں کر پائے اور جمہوری طرزِ حکومت میں کچھ کرنا ان کے بس میں تھا بھی نہیں!

■ **پروفیسر ابو معوز گیلانی، شعبۂ اردو، سی این کالج،**
صاحب گنج، مظفر پور (بہار)

کل ڈاک سے جولائی 2002 کا "اردو دنیا" ملا۔ طبیعت کی خرابی کے سبب سرسری نظر ڈالنی چاہی مگر رسالہ ہاتھ میں لینے کے بعد چھوڑا نہ گیا اور پورا پڑھنے کے بعد ہی دم لیا۔ اداریہ "ہماری بات" کے ان تراشے ہوئے جملوں نے ہماری دُکھتی رگ پر انگلی رکھ دی:

"استاد کی نظر میں اب تدریس کے مقابلے میں علمیت زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ علمی صلاحیتوں کے متعلق یہ ساری خوبیاں یقیناً غیر اہم ہو جاتی ہیں اگر ان کے ساتھ ساتھ یہ کریڈٹ استاد کو نہ ملے کہ اس نے کتنے طالب علموں کی تربیت کی ہے۔"

محمد خالد کا "اردو ادب اقوال" پر مبنی کوئز نمبر 23 کو پڑھ کر دنگ رہ گیا۔ دراصل کلیم الدین احمد نے یہ انتہا پسند جملہ اپنے لیے نہیں بلکہ اردو کے صفِ اوّل کے نقاد خواجہ الطاف حسین حالی کے متعلق لکھا ہے۔ ان کی کتاب "اردو تنقید پر ایک نظر" میں یہ پورا جملہ اس طرح ہے:

"خیالات ماخوذ، واقفیت محدود، نظر سطحی، فہم و ادراک معمولی، غور و فکر ناکافی، تمیز ادنیٰ، دماغ و شخصیت اوسط، یہ تھی حالی کی کائنات۔ سارے خیالات جن پر بحث کی گئی ہے وہ سب کے سب ماخوذ ہیں۔"

اردو دنیا میں خلافِ توقع زبان کی چند خامیاں دیکھنے کو ملیں۔

■ **محمد خالد، 39۔ سابرمتی ہاسٹل، جے این یو، نئی دہلی-110067**

جلد 4 شمارہ 7 جولائی 2002 کے "اردو دنیا" میں اردو ادب اقوال (کوئز) شائع ہوا تھا جس میں دو سوال (ایک میرے لکھنے کی وجہ سے اور ایک ٹائپنگ کی وجہ سے) غلط ہو گئے ہیں۔

سوال نمبر 23 میں پروفیسر کلیم الدین احمد کا تنقیدی فیصلہ الطاف حسین حالی کے لیے ہے اور دوسری غلطی، سوال نمبر 25 میں منٹو کے موضوعات پر رائے ڈاکٹر اطہر پرویز کی ہے۔

■ **محمد حسنین، ریڈر، سول کورٹس، بہرائچ، یوپی-271801**

جب ہزار ہا رنگا رنگ دلچسپیوں اور اردو ادب کی تمام اصناف سے آراستہ موبائل وین گھر کے دروازے پر تین روز تک مسلسل کھڑی رہی تو آپ کی اردو نوازی اور محبانِ اردو سے دوستی کا سبھی کو اعتراف کرنا پڑا۔ شہر کے تمام ادب نوازوں، شائقینِ اردو، مفکرین، شعرا، اساتذہ، طلبہ، بچے اور نوجوانوں کے ساتھ میں نے بھی اس سنہری موقع کا خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی موبائل وین میرے شہر، میرے گھر بھیج کر نہ صرف مجھے اپنے عظیم ادبی ذخیرے سے اپنی پسند کی کتابیں منتخب کرنے کا من چاہا موقع اور وقت فراہم کرایا بلکہ قیمتوں میں نصف کے قریب تر رعایت دے کر زیر بار ہونے سے بھی بچایا۔

■ **ایس ایم عباس، تاڑتلہ، جونپور، یوپی-222001**

آج جو ادارے اردو زبان کی ترویج و ترقی اور ادب کی بقا و تحفظ کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں ان کی حیثیت آندھی میں چراغ کی سی ہے، اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان انھی میں سے ایک ہے۔ حال میں، شیڈیول کے مطابق دو دنوں کے لیے اردو کونسل کی کتابوں کی نمائش جونپور میں بھی کی گئی۔ محکمے کی وین میں لگائی گئی کتابوں کی ترتیب و تزئین اور متعلقین کے حسنِ کارکردگی، خلوص اور اپنائیت سے جی خوش ہو گیا اور اکثر لوگ بہت متاثر ہوئے۔ مقامی علاقے کے چھوٹے بڑے اخبارات نے رپورٹنگ کے مطابق کتابوں کی خریداری کی۔ مقامی ادیبوں نے بھی اس میں حصہ لیا اور اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے ادیبوں نے بھی کتابوں کے سلسلے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

ایک بات جس کی کمی محسوس ہوئی وہ یہ کہ اکثر لوگوں کو آپ کی مطبوعات اسٹاک کے ختم ہونے کی وجہ سے نہیں مل سکی اور انھیں مایوس واپس جانا پڑا۔ ضرورت ہے کہ کچھ کتابیں اسٹاک میں وین کے ساتھ بھیجی جائیں اور انھیں اس ایریا میں کہیں رکھ دیا جائے اور ضرورت پڑنے پر مہیا کر دیا جائے۔ کچھ کتابیں کافی عرصہ پہلے کی چھپی ہوئی ہیں جن کا سرورق خراب ہو چکا ہے اور اندرونی صفحات بھی طباعت بہتر نہ ہونے کی وجہ سے ٹھیک نہیں لگتے ہیں۔ کم قیمت کے باوجود بھی اکثر لوگ انھیں دیکھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

اب ماہنامہ "اردو دنیا" سے متعلق بھی چند باتیں عرض کرنی ہیں۔

ماہنامہ "اردو دنیا" میں اردو دنیا کی بہت ساری باتیں آپ پیش کرتے ہیں۔ اس میں گوشۂ ادب، گوشہ فروغ کتب، خبر نامہ، تبصرہ اور تعارف وغیرہ الگ الگ ابواب ہیں۔ گوشۂ ادب یوں تو قائم ہے لیکن نہ جانے کیوں نظر انداز سا لگتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس گوشے کے لیے ادیبوں کو متوجہ کیا جائے اور ان کی تخلیقات اس میں شامل کی جائیں۔

■ محمد ریاض الدین خاں، تسخیر ایجوکیشنل سوسائٹی،
80۔ کولوٹولہ اسٹریٹ، کولکاتا-700073

فروغ اردو زبان کے تحت "کتابوں کی نمائش و فروخت آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں" خوشخبری پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ ادارہ تسخیر ایجوکیشنل سوسائٹی تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔ مغربی بنگال کے علاقے اردو کے استفادے کے پیش نظر آپ سے درخواست ہے کہ مغربی بنگال میں فروغ اردو کونسل کی کتابوں کے ملنے کا کوئی مناسب انتظام کیا جائے۔

■ سید حیدر عباس نقوی، پوسٹ نوگانواں سادات، جے پی نگر

ماہنامہ "اردو دنیا" میرے بیٹے کے لیے آتا ہے۔ اس کے ذریعے میں اپنے کالج کے طلبہ کو سلمان عابد صاحب کے کیریئر گائیڈنس کی معلومات سے باخبر کرتا رہتا ہوں۔ جو کچھ شائع ہوتا ہے وہ سب کا سب علمی اور تحقیقی ہوتا ہے۔ اس علمی کام کے لیے اردو عوام آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

موبائل وین فراہم کرکے آپ نے اردو برادری پر جو احسان فرمایا ہم سب آپ کی ذہانت اور فراست کو سلام کرتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ اس طرح ملک کی خدمت کرتے رہیں۔ آئندہ آپ کا تجارتی ادبی کارواں جب بھی سفر پر روانہ ہونے لگے تو آپ نوگانواں سادات کو اپنے ادبی تجارتی کارواں کے استقبال کا موقع عنایت فرمائیں۔

■ تنویر احمد صدیقی، مستان روڈ، فتح پور، بارہ بنکی (یو۔ پی)

ہر ماہ کی طرح جون ماہ کا "اردو دنیا" اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ہاتھوں میں آیا۔ مرحوم کیفی اعظمی صاحب کی تصویر اپنی دانشورانہ ذہانت کا نمونہ لگی اور ایسا محسوس ہوا کہ وہ ابھی کچھ بولنا چاہتے ہیں۔ مگر نہیں وہ تو اب اس دنیا سے چلے گئے، اب کہاں بولیں گے۔ سردار گئے، اختر الایمان گئے، مجروح گئے، خمار چلے گئے۔ جانا تو اس دنیا میں آنے والے ہر شخص کو ہے مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے سے چاروں طرف ایک ہنگامہ جاتا ہے۔ انھیں میں سے ایک تھے کیفی اعظمی۔

موبائل وین بارہ بنکی تک نہ آسکی، اس کا یہاں کے شائقین کتب کو افسوس ہے۔

■ احسن رضوی جونپوری، 47، جوہری محلہ، چوک، لکھنؤ-226003

"اردو دنیا" کا تازہ شمارہ جون نظر نواز ہوا جو کہ اپنی روایت کے مطابق معیاری اور معلومات سے پُر ہے۔ محترمہ ارجمند آرا کا مضمون "روشنی کا مینار کیفی اعظمی" پسند آیا لیکن اس مضمون میں ان کا نام سید اطہر حسن رضوی لکھا ہوا ہے جبکہ ان کا نام سید اطہر حسین رضوی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ سہو کتابت ہو۔

■ حافظ عبدالرزاق اعظمی، جامعہ ملیہ اسلامیہ

ماہ جون کا شمارہ "اردو دنیا" باصرہ نواز ہوا۔ تقریباً سبھی مضامین پسند آئے۔ بطور خاص "اردو کی تعلیم اور ہماری نئی نسلیں"، "خلائی تحقیقات میں ترقی" اور "گوشۂ ادب" کے تمام مضامین۔ واقعی کیفی صاحب ایک شاعر و ادیب ہی نہیں بلکہ ایک اچھے انسان بھی تھے۔ انھوں نے ہمیشہ مظلوموں، دبے کچلوں کی حمایت میں آواز اٹھائی۔ موت تو برحق ہے لیکن ان کے جانے سے گوشۂ ادب کا ایک روشن ستارہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا جس کا پُر کرنا ممکن نہیں تو ہر مشکل ضرور ہے۔ واقعی وہ اپنے آبائی وطن کی ترقی و خوشحالی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے اور اس میں بہت حد تک وہ کامیاب بھی رہے۔ ان سہولیات کو یہ خاکسار کیسے فراموش کر سکتا ہے جس سے یہ خود فیض یاب ہو رہا ہو۔

کالم "طلبہ کے لیے" کا تو ہم جیسے طلبہ کے لیے کوئی جواب ہی نہیں۔ قومی اردو کونسل نے نہ صرف دہلی میں بلکہ ملک کے دیگر حصوں میں بھی کمپیوٹر مرکز قائم کر کے اردو کو ایک نئی سمت دی ہے یہ خاکسار بھی قومی اردو کونسل کے ایک سالہ کمپیوٹر کورس میں زیر تعلیم ہے۔

■ انصار احمد معروفی، استاد مدرسہ تعلیم القرآن، پورہ معروف، مئو، یوپی

ماہ نامہ "اردو دنیا" پابندی سے موصول ہو رہا ہے۔ اس سے اردو کے فروغ و استحکام کے سلسلے میں ہونے والی کوششوں کا بہ خوبی علم ہو جاتا ہے۔ اردو دنیا کے ذریعے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ عربی و فارسی کے فروغ کے لیے عملی کوشش کر رہے ہیں اور عربی کا دو سالہ ڈپلوما کورس شروع کر رہے ہیں۔ چناں چہ میں نے آپ کے ادارے سے فارم منگوا کر پُر کر کے بھیج دیا۔ دو ماہ کے بعد کونسل کی جانب سے داخلے کی اطلاع اور "اللغتہ العربیتہ ابو ظیفیتہ" نیز "دلیل اللغتہ العربیتہ الوظیفتہ" چکنے کاغذ والی خوب صورت کتاب بھی موصول ہوئی۔ دل خوش ہو گیا۔ اتنے اچھے مضامین پر مشتمل تمرینات و تعریب کے ساتھ مزین نصاب کی کتاب میں نے اب تک نہیں دیکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو خصوصاً مصنفین کتاب کو جزائے خیر دے۔

■ فرحت آمیز بیانی بہادر، کشن گنج (بہار)

اللہ کا بہت بہت کرم ہے کہ اردو داں حلقے کو "اردو دنیا" جیسا ہمہ گیر اور نئے اطلاعاتی دور سے ہم آہنگ رسالہ پڑھنے کو مل رہا ہے۔ یہ آپ کی مدبرانہ صلاحیت ہے کہ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کمپیوٹر سے اردو کا رشتہ مضبوط بنا کر اور "اردو دنیا" نکال کر ہماری مادری زبان کے کھوئے وقار کو بحال کرنے کی جو پر خلوص کوشش کی ہے، اللہ بیشک ان کو کامیاب بنائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ رسالہ میں کوئز، کیریئر گائیڈنس اور اردو بالخصوص مسلم آبادی کے مسئلوں پر محیط مضامین شائع ہوتے رہیں گے۔ میری پرزور درخواست ہے کہ رسالے میں سائنس روزگار، سماجیات و اقتصادیات اور تعلیم وصحت کے مضامین کو ترجیح دی جائے تاکہ نوجوان طبقہ عملی طور پر اردو کو اپنی زندگی کا حصہ قرار دے سکے۔ اردو آبادی اور مسلم آبادی آج بھی سائنس اور طب وصحت کے بارے میں کم علم اور کم بیدار ہیں۔

■ غلام حسنین ناگپوری، تکیہ دیوان شاہ مومن پورہ، ناگپور-18

"اردو دنیا" جون نظر نواز ہوا۔ صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے خوب ہے۔ "ہماری بات" میں جدید انداز سے اظہار خیال کیا جاتا ہے۔

میرا ذاتی تجربہ تعلیمی میدان میں یہی ہے کہ ابتدائی تعلیم میں بچہ کمزور ہوتا ہے۔ کچھ ہونہار بچے ہوتے ہیں جو اپنی محنت اور والدین کی توجہ کے سبب تعلیم میں آگے نکل جاتے ہیں۔ ناگپور بورڈ کی میرٹ لسٹ کا مشاہدہ کرنے پر پتا چلتا ہے کہ صرف ایک ہی مسلم طالبہ نے لڑکیوں میں اول اور میرٹ میں تیسرا مقام حاصل کیا۔ اس کے علاوہ میرٹ لسٹ میں اور کوئی مسلم نام نہیں نظر آتا۔ اگر طالب علم ابتدا ہی سے پورے نصاب پر پکڑ رکھے یقیناً تعلیمی معیار بلند ہوتا ہوا نظر آئے گا۔ بہر کیف بچوں کی تعلیم میں بہتر کارکردگی کے لیے بچے کی محنت، والدین کی توجہ اور استاد کی ٹیچنگ تعلیمی انقلاب کے لیے ضروری عوامل ہیں۔

■ جلیل عشرت، آر. پی. منزل، جہانگیری محلہ، آسنسول-713302

"اردو دنیا" اردو جہاں میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد رسالہ ہے جو ذہین و بلیغ قاری کو ہمہ وقت اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔ تازہ شمارہ پیش نظر ہے۔ "ہماری بات" حسب سابقہ گرانقدر و قابل ستائش ہے۔ جناب اے. آر. فتحی کا مضمون "بہار اور جھارکھنڈ میں اردو آبادی" محفوظ رکھنے کے لائق ہے۔

■ محمد عارف حسین، منتظم مولانا رحمت اللہ کمپیوٹر سینٹر، رسید العلوم چترا-825401 جھارکھنڈ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اردو کی فلاح و بہبود کے لیے جو جدوجہد کر رہی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ "اردو دنیا" میں بچوں کی کہانیاں "بدھو میاں کی کمائی" اور "اختر کی پنسل" کافی پسند آئیں۔ ساتھ ہی اردو خبرنامہ بھی میں خوب شوق سے پڑھتا ہوں۔

■ جاوید اقبال واجدی، اے. ایم. یو. اسکول، اے ایم یو، علی گڑھ

ماہنامہ "اردو دنیا" مئی 2002 کے اندراجات "آندھرا پردیش میں اردو آبادی"، "مہاتما گاندھی اور ٹیگور"، "بایو ٹیکنالوجی میں کیریئر کے امکانات" اور کمپیوٹر کی زبان اور کورس وغیرہ کافی پسند آئے۔ اس طرح کے مضامین آگے بھی شائع ہوتے رہیں تو ہم طالب علموں کو کافی مدد ملتی رہے گی۔

■ نذیر احمد یوسفی، اردو دربار، رحمانیہ اسکول اسٹریٹ، آسنسول-2

"اردو دنیا" کے جون کے شمارے میں صفحہ اوّل سے آخری صفحے تک سبھی کالم دلچسپ اور قابلِ مطالعہ ہیں۔ مضامین کے انتخاب میں آپ کی نگاہ عمیق ہے۔

■ حافظ عبدالرزاق اعظمی، 22/242، ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی-25

مئی کے شمارے کے سرورق پر قومی اردو کونسل کی موبائل وین دیکھ اور خبر پڑھ کر کافی خوشی ہوئی۔ ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

□□□

جوابات کوئز :

1- الف	2- ب	3- ج	4- ج	5- ب
6- د	7- ج	8- د	9- ب	10- ج
11- د	12- الف	13- د	14- د	15- د
16- ب	17- ج	18- د	19- ج	20- د
21- الف	22- الف	23- د	24- الف	25- د
26- الف	27- د	28- ب	29- ج	30- ج
31- ج	32- الف	33- ج	34- الف	35- الف
36- ج	37- الف	38- الف	39- ب	40- د
41- ب	42- الف	43- الف	44- ج	45- ب
46- ب	47- ب	48- الف	49- ب	50- ب
51- ج	52- ب	53- ب	54- الف	55- ج

ہماری بات

"اردو دنیا" کے گذشتہ شمارے میں موجودہ نظام تعلیم کو درپیش مسائل کی جانب توجہ دلائی گئی تھی۔ خصوصاً کیریر مرکوز تعلیم کے بڑھتے ہوئے رجحان کے سبب تعلیم کی عمومی صورت حال اور اساتذہ کے رول میں آنے والی تبدیلیوں کے حوالے سے، جو وقت کے تقاضوں کے مطابق بتدریج پروفیشنل ہوتا جارہا ہے۔ دہلی کے ایک انگریزی روزنامے کی جانب سے اٹھائی جانے والی اس بحث نے نئے زاویوں سے مباحث کی راہیں اکاڈمک دنیا کے لیے کھول دی ہیں اور یہ بات خوش آئند ہے کہ ہمارے تعلیمی شعبوں کے عمومی رول کے بارے میں جو باتیں بند کمروں میں ہوا کرتی تھیں وہ اب اخبار کے صفحوں پر عام آدمی کو دعوت فکر و عمل دے رہی ہیں۔ اختلافات سے قطع نظر طلبہ، اساتذہ اور عام شہریوں کی اس بحث میں شرکت تعلیمی نظام کی کمیوں کو دور کرنے کی جانب اہم قدم اس لیے ثابت ہوگی کہ اس سے ذمے داری اور جواب دہی کا احساس بیدار ہوگا۔

جو بحثیں آج اعلیٰ تعلیم کے حوالے سے اخباروں کے صفحات کی زینت بن رہی ہیں ان کی اہمیت مسلمہ ہے اور ان کا اطلاق تعلیم کے تقریباً سبھی شعبوں پر ہوتا ہے۔ اردو کے شعبوں کے حوالے سے ان مباحث کا آغاز اس لیے زیادہ اہم ہے کیوں کہ اردو کی تعلیم بقیہ شعبہ ہائے علوم کے مقابلے میں زیادہ مسائل اور اردو طلبہ روزگار کی مسابقت سے دوچار ہیں۔ پروفیشنل دنیا میں کم اہمیت کے حامل ہوتے جارہے اور حاشیے پر چلے جانے والے ماضی کے اہم ترین علوم کو بھی اب اپنی افادیت منوانے اور معیار کو بلند کرنے کے لیے بالکل ویسے ہی جدوجہد کرنی پڑ رہی ہے جس طرح کمزور اقلیتوں کو سماج میں اپنے مقام اور حقوق کے لیے سخت مسابقت اور مقابلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اردو کے موجودہ حالات میں جب ہر طرف کم از کم اس کی اعلیٰ تعلیم کے معیار کے بد سے بدتر ہونے کے بارے میں کسی کو شبہ نہیں، اگر اس کے کمزور ہوتے ہوئے ستونوں کو تھامنے کی کوشش نہیں کی گئی تو اردو کلچر کے سمٹتے ہوئے حلقے کو بچانا مشکل ترین کام ہو جائے گا۔

تعلیم کے بدلتے ہوئے پیمانوں اور معیار کی اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے قارئین "اردو دنیا" کے لیے ہم اس بار سول سروس امتحان میں ٹاپ کرکے بیورو کریسی کی دنیا میں شامل ہونے والے ایک سابق استاد کا مضمون شائع کررہے ہیں۔ اس کے مضمون کے ردِ عمل میں بہت سے اساتذہ اور طلبہ کے خطوط بھی ہندستان ٹائمز کے دوسرے شماروں میں شائع ہوئے جن میں سے ایک استانی کا اور ایک طالب علم کا ردِ عمل بھی شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ ان تینوں کے دلائل سے کچھ لوگوں کو اتفاق اور کچھ کو اختلاف ضرور ہوگا لیکن جو چیز تینوں میں مشترک ہے وہ ہے تین مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں کا اس بات پر اتفاق کہ تعلیمی نظام میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ اساتذہ کی حمایت میں بھرپور جوش و خروش کا اظہار کرنے والی استانی کے خط میں بین السطور موجود تعلیمی نظام کی کمیوں کے واضح اشارے پڑھے جاسکتے ہیں۔ اساتذہ کی ذمے داریوں سے لے کر ان کو فراہم سہولتوں یا محرومیوں کے پیچھے جو ذہنیت کارفرما ہے وہ ہر سطح پر سرکار کے متعلقہ شعبوں، تعلیمی شعبوں، طلبہ اور اساتذہ کی ملی جلی کوششوں اور تعاون کی متقاضی ہے۔ بہت سے پیچیدہ مسائل کے مدِ نظر، جن کی تفصیل میں جانے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ شعبۂ تعلیم و تدریس اور معلمی سے جڑے ہوئے افراد ان سے خوب واقف ہیں، تدریس کا شعبہ صرف اصلاحی اقدامات کا نہیں بلکہ ان بنیادی تبدیلیوں کا تقاضہ کررہا ہے جو اس نظام کی کایا پلٹ کرسکیں۔ اساتذہ کے تقرر سے لے کر نصاب کی تیاری اور نظر ثانی کا کام، کلاسوں میں طلبہ کی باقاعدہ حاضری اور ان کی کارکردگی واستعداد کو جانچنے کے طریقے، تعلیم سے متعلق بحث کے وہ بنیادی نکات ہیں جو مسلسل غور و فکر کا تقاضہ کرتے ہیں۔ سب سے اہم بات تو طلبہ کی اساتذہ کے تئیں اور اساتذہ کی طلبہ کے تئیں ذمے داری اور جواب دہی ہے جو دراصل پورے تعلیمی نظام کی وہ اساس فراہم کرتی ہے جو نہ صرف اس نظام کو بلکہ پورے معاشرے کو مزید کمزور ہونے سے بچاسکتی ہے۔

اساتذہ کی طلبہ کے تئیں جواب دہی حالاں کہ ایسا معاملہ ہے جس کو سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا اس لیے کرنا پڑ سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں استاد کو، سماج کی تشکیل میں اس کی ذمے داریوں کے سبب، ماں باپ کے برابر درجہ دیا گیا ہے۔ اپنے اس رول کی جانب سوالیہ نظریں شاید کسی بھی روایتی استاد کو برداشت نہ ہوں لیکن معاشرہ جس تیزی سے تغیر پذیر ہے اس میں اس قسم کی جواب دہی سے انکار ممکن نہیں۔ نئی نسل کے بچوں نے، جنھوں نے معاشرے کو نئی جولان گاہوں کی جانب گامزن کرنے کے خواب دیکھے ہیں، ہمیشہ ہی روایتوں کو توڑا اور عقلیت پسندی کے ساتھ جمود کا شکار شعبوں کو تبدیل کیا ہے۔ تعلیمی نظام ہر سطح پر تیزی سے تغیر پذیر معاشرے میں کس طرح بدلتا ہے اور اس کے نئے تقاضے تضاد اور تصادم سے کیسے نبرد آزما ہوتے ہیں، یہ دیکھنے کی بات ہے۔ لیکن ہمیں اپنی نئی نسلوں سے ہر طرح کی بہتری کی امید کرکے روشن مستقبل پر یقین رکھنا چاہیے۔

محمد حمید اللہ بھٹ

آلوک رنجن جھا

گیسٹ کالم

تبلیغ نہیں، تعلیم کی ضرورت

یہ مضمون سراسر میرے ذاتی تجربات پر مبنی ہے۔ میں نے دہلی یونی ورسٹی کے ایک کالج میں تقریباً دو سال (1998-2000) پڑھایا ہے۔ یہ ایک مستقل ملازمت نہیں تھی لیکن جو لوگ اس نظامِ تعلیم کو قریب سے جانتے ہیں وہ میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ نظامِ تعلیم کا جائزہ لینے کے لیے یہ امر مانع نہیں کہ تبصرہ نگار مستقل ملازم رہا ہے یا نہیں۔

یہاں میں جن نکات کا ذکر کروں گا ان کا تعلق گو دہلی یونی ورسٹی سے ہے لیکن ان کا اطلاق دوسری یونی ورسٹیوں پر بھی ہوتا ہے۔ حقیقت میں دہلی سے باہر بیشتر یونی ورسٹیوں میں حالت اور بھی بُری ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ہمارے کالجوں میں درس و تدریس کی حالت نہایت ہی خستہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تعلیمی اداروں میں تنزلی کا دور کچھ عرصے پہلے ہی شروع ہوا۔ صورت حال کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس پر کوئی متاسف بھی نہیں ہے۔

اس نظام میں موجود نقائص کی فہرست سازی بذاتِ خود مشکل کام ہے کیوں کہ یہ بے شمار ہیں۔ دہلی یونی ورسٹی میں 70 سے زیادہ کالج ہیں۔ یہ کالج اس شہر کے نوجوانوں کے لیے ملاقات کی خوشگوار جگہیں بھی ہیں۔ محدودے چند کالجوں (اور کچھ کالجوں کے چند شعبوں) کو چھوڑ کر بقیہ کالجوں میں باقاعدہ کلاسیں لگنے کا تصور خلافِ معمول ہے۔ یہ ایک نہایت اُلجھاؤ دار چکر بن چکا ہے۔ اساتذہ پڑھاتے نہیں نتیجتاً طلبہ بھی رفتہ رفتہ دلچسپی کھو دیتے ہیں اور پھر سنجیدہ اساتذہ بھی کلاس میں طلبہ کی قلیل تعداد سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

لیکن اساتذہ کو بھلا اس کی کیا پروا! جو لوگ مستقل ملازمت میں ہیں وہ تو صرف خدا کے تئیں جواب دہ ہیں، اور دیگر حضرات صدر شعبہ کے حضور میں حاضری دے کر، انھیں خوش کرنے کی اپنی مہارت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ پکی ملازمت کے چندہ راستوں میں سے یہ بھی ایک راستہ ہے۔

پکے جاب کے حصول کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ آپ کے باپ/ماں سینئر اکیڈمیشین (Senior Academician) ہوں۔

دہلی یونی ورسٹی میں اساتذہ کے تقرر کا عمل اس حد تک شفاف ہے کہ انٹرویو ہونے سے ہفتوں پہلے ہی سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ نوکری کس کو مل رہی ہے۔ البتہ ظاہری اصول و ضوابط سے مطلق کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ سبھی کو انٹرویو کے لیے بلایا جاتا ہے، ایک باصلاحیت پینل نامزد کیا جاتا ہے اور انٹرویو بھی بڑی سنجیدگی سے لیا جاتا ہے۔ امیدیں جنم لیتی ہیں، امیدیں دم توڑتی ہیں اور یہ کھیل چلتا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ تقرر ہو جانے کے بعد ملازمت پانے والا اپنی لغت سے لفظ جواب دہی (Accountability) کو آسانی سے خارج کر سکتا ہے۔

ہندستان میں یونی ورسٹیاں	259
سینٹرل یونی ورسٹیاں	16
کالج	11089
ڈیمڈ (مفروضہ) یونی ورسٹیاں	49
یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں طلبہ	74.18 لاکھ
اساتذہ	3.42 لاکھ

Source. India 2002
(Publication Division-GOI)

ہمارے ملک میں کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ملازموں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے خفیہ رپورٹ (Confidential Report) کا اہتمام نہ ہو مگر نتیجہ؟! مغرب میں بہترین معلم تک بھی ہمیشہ احتساب کے گھیرے میں ہوتے ہیں۔ وہاں طلبہ کو اپنے اساتذہ کی کارکردگی کا جائزہ لینے کا حق حاصل ہے مگر ہمارے یہاں جب بھی طلبہ کے ذریعے اساتذہ کی کارکردگی کا سوال اٹھا تو ہمیشہ اسے غیر معقول کہا گیا۔

لکچرر کا ہر روز کا معمول عموماً دو یا تین لکچرروں، چند کپ چائے یا کافی اور گھنٹوں کی گپ شپ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ مجھ سے میرے ایک رفیقِ کار نے کہا، "انقلاب آرہا ہے۔" ہے نا دلچسپ بات؟ کیا ہم سرخ پرچم تلے تصویر کھنچوانے تک انتظار نہیں کر سکتے۔۔۔۔ مجھے ان سڑے گلے کھیلوں کے آرپار سب کچھ نظر آتا ہے، اور مجھے اس سے بڑی کوفت ہوتی ہے۔ نہیں نہیں، مجھے اسے ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔ احمق! نظام یہی تو ہے!!

مجھے کوفت اور پریشانی اس وقت اور ہوتی ہے جب یہ اساتذہ نوکر شاہی کی بدعنوانیوں کا چرچہ بڑے زور شور سے کرتے ہیں۔ جب کہ میرا خیال ہے

● مضمون نگار نے 2001ء سول سروس کے امتحان میں اوّل مقام حاصل کیا ہے۔ اس سے قبل وہ دہلی یونی ورسٹی کے ایک کالج میں دو سال پڑھا چکے ہیں۔ ان کا یہ مضمون ان مسائل کی جانب اشارہ کرتا ہے جو تعلیم و تدریس کے نظام کو کھوکھلا بنا رہے ہیں۔ ان کے اٹھائے ہوئے سوال اردو کے حوالے سے بھی نوکِ زبان خلق ہیں۔ اس مضمون سے اندازہ ہوگا کہ حالات کسی بھی شعبے میں بہتر نہیں ہیں۔ قارئین کی دل چسپی کے لیے مضمون کے ساتھ اس پر شائع ہونے والے ردِعمل کا ترجمہ بھی پیش ہے۔

کہ اساتذہ کو بدعنوانیوں پر سب سے آخر میں انگلی اٹھانی چاہیے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا جرم ہو سکتا ہے کہ جس کام کے لیے انھیں تنخواہ ملتی ہے، اسی کو وہ انجام نہیں دیتے۔ کیا کوئی بیوروکریٹ جس پر نہایت بدعنوان ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے، اپنے بیٹوں، بیٹیوں، دامادوں اور بہوؤں کو نوکرشاہی کی ملازمت دلوانے کا خواب بھی دیکھ سکتا ہے؟

مجھے معلوم ہے کہ اساتذہ میں بددلی کہاں سے آتی ہے۔ اس ملک میں اساتذہ کی ایک اچھی خاصی تعداد سول سروس کے ٹھکرائے ہوئے افراد پر مشتمل ہے۔ اپنے پہلے عشق کو بھلانا آسان نہیں ہوتا اور جیسا کہ حنیف قریشی ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ "چاہتے ہوئے بھی نفرت سے ایک قربت سی ہو ہی جاتی ہے۔" وہ لوگ جو تعلیمی پیشے کو اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپناتے ہیں، جلد ہی اس سے بددل ہو جاتے ہیں اور پھر یا تو بیرون ملک چلے جاتے ہیں یا پیشہ ہی بدل لیتے ہیں۔

ہمارے تعلیمی اداروں کی دوسری قابلِ غور خاصیت ان کا جمود ہے۔ یہاں چیزوں کو بدلنے میں ایک یُگ لگ جاتا ہے۔ نصاب ہی کی مثال لے لیجیے۔ کچھ کورسوں کا نصاب اگر دہوں سے نہیں تو برسوں سے جوں کا توں ہے۔ نصاب میں تبدیلی لانے سے 20 سال پرانے نوٹس (Notes) بے کار ہو جائیں گے اور پھر سخت محنت کرکے نئے نصاب سے مطابقت تو پیدا کرنی ہی ہوگی۔ میرے خیال میں، اساتذہ کے لیے یہ امر بہت ہی تکلیف دہ ہوگا۔ ہر جگہ نظامِ تعلیم کا اپنا مخصوص ایجنڈا ہوتا ہے۔ یہ لوگوں کو مخصوص انداز میں سوچنا سکھاتا ہے۔ مثال کے طور پر تخلیق کے عمل کے لیے ایک حد تک جو آزادی چاہیے، وہ یہاں مفقود ہوتی ہے۔ اس تعلیمی نظام کی اصل خرابی یہی ہے کہ تخلیقی فکر کی بارھ ماری جاتی ہے۔

میں کالج میں سیاسیات پڑھاتا تھا۔ اکثر و بیشتر طلبہ کے والدین مجھ سے آکر پوچھتے تھے، "اس مضمون کا اسکوپ کیا ہے؟" دراصل آج مرکزی حیثیت تعلیم کی پروفیشنل افادیت کو حاصل ہے۔ کسی بھی شخص کی دلچسپی تعلیم برائے علم کے حصول میں نہیں ہے۔ اس رجحان کے سبب لبرل فنون کو سب سے زیادہ خسارہ برداشت کرنا پڑا ہے، صرف معاشیات کا بھاؤ بڑھا ہے۔

اس سے زیادہ کیا کہوں؟ یقین کریں مجھے سب سے زیادہ مسرت تب ہوگی جب کل کوئی شخص آکر مجھے باور کرا دے کہ میرے اندیشے بے بنیاد ہیں، میرے خیالات غلط ہیں۔ اس کے برخلاف میرا یقین ہے کہ حالات اتنے ہی خراب ہیں اور اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔ قدیم ادارے نہ تو مرتے ہیں اور نہ آسانی سے بدلتے ہیں۔ وہ کسی طرح جیتے رہتے ہیں اور اپنی بقا کے لیے زور آزمائی بھی کرتے رہتے ہیں۔ مگر جب وہ ایک مرتبہ گرنے لگتے ہیں تو ان کو از سر نو بحال کرنے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

سب سے پہلے اساتذہ کے تقرر کے عمل کو چست درست بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہندستانی تعلیمی سروس (Indian Education Service) کے خطوط پر سوچنا خام خیالی نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ ایک بامعنی اور صریح احتسابی نظام وضع کیا جانا چاہیے۔ طلبہ کو، جو اس نظام کے حتمی فیض کنندگان (یا شکار) ہیں، اپنی بات کہنے کا موقع ملنا چاہیے۔

تیسری بات، نصاب پر برابر نظر ثانی ہوتی رہنی چاہیے۔ اس سلسلے میں ایک معینہ مدت طے کرلینی چاہیے۔ چوتھی بات، غیر حاضری (طلبہ اور اساتذہ دونوں کی) کو روکنے کے لیے قابلِ عمل نظام وضع کیا جانا چاہیے! اور آخر میں، دوسرے اداروں کے ساتھ معاندانہ رویے کو ختم کرنا چاہیے اور اساتذہ کو اپنی توانائی اپنے نظام کو بہتر بنانے میں صرف کرنی چاہیے۔

میں فطرتاً ایک حد درجہ پُرامید شخص ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ البتہ اس میں کچھ وقت لگے گا۔ ہم سبھی کو اس پر غور کرنا چاہیے۔ ہم میں سے ہر شخص تعلیمی نظام کا مقروض ہے، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ میں نے یہ سبھی سوال اسی لیے اٹھائے ہیں کہ میں اس نظام کے مستقبل کے بارے میں سنجیدہ ہوں۔

ذاتی تجربات دھوکہ دے سکتے ہیں اور ان کو عمومیت کا روپ دینے میں ہمیشہ خطرے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن میں اکیلے ہی سچ بولنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ تعلیمی شعبے کے میرے کئی ساتھی مجھ سے زبردست اختلاف کریں گے مگر دوسرے بہت سے لوگ خوش دلی کے ساتھ میرے معروضات سے اتفاق کریں گے۔ خیر جو بھی ہو، اگر میری دلیلیں تعلیم میں اصلاح کے موضوع کی بحث میں مدد دیتی ہیں تو اس سے مجھے خوشی ہوگی۔ بحث و مباحثہ ہمیں ضرور کرنا چاہیے۔ سب کچھ ختم نہیں ہو گیا ہے، امیدیں زندہ ہیں۔ آخر امید ہی تو وہ شے ہے جو پنڈورا کے صندوق میں بھی بچ گئی تھی۔

(ہندستان ٹائمز، نئی دہلی۔ 2، جون 2002)

•

اساتذہ کی حمایت میں—

... مسٹر جھا جواب دہی کی بات کرتے ہیں۔ میں بھی ایسا کرسکتی ہوں، اگر میرا کالج مزید سہولیات (ماہوار تنخواہ کے علاوہ) فراہم کرے۔ اگر نوکرشاہوں کی طرح، اساتذہ کو بھی آفس، کمپیوٹر، ٹیلی فون، کار، سرکاری رہائش، امدادی عملہ، فوٹو کاپی، فیکس، انٹرنیٹ اور ای میل کی سہولیات دی جائیں تو وہ بھی بہتر نتیجے دیں گے۔

جی ہاں، ہم لوگ ہر روز صرف چند گھنٹے ہی پڑھاتے ہیں۔ مگر ایم فل،

پی ایچ ڈی، سیمنار پیپر، کانفرنس، ورک شاپ وغیرہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا اس میں وقت صرف نہیں ہوتا؟ آفس میں دیر تک بیٹھے رہنے سے یہ ضروری نہیں کہ زیادہ بہتر نتائج برآمد ہوں۔

...اور کتنے لڑکے ہیں جو کلاس کو سنجیدگی سے لیتے ہیں؟ وہ صرف ڈگری چاہتے ہیں عموماً ان میں آدھے بھی کلاس میں حاضر نہیں ہوتے۔ وہ تعلیم کی قدر ہی نہیں کرتے کیوں کہ وہ انھیں مفت میں مل جاتی ہے۔

برخلاف اس تصور کے کہ اساتذہ سول سروس کے ٹھکرائے ہوئے ہوتے ہیں، بہت سے اس پیشے کو سیاستدانوں کے ستائے جانے کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں اور انڈین سول سروس کے امتحان میں ممتاز مقام پانے والے انھی استادوں کی کتابوں کو پڑھ کر اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہیں۔

اجیتانال آریہ، نئی دہلی

طلبہ کی حمایت میں—

بلاشبہ طلبہ کلاس میں حاضری نہیں دیتے لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ وہاں سیکھنے کے لیے بہ مشکل ہی کچھ ہوتا ہے۔ چند ہی استاد ایسے ہوں گے جو اپنی کلاس میں طلبہ کو یہ احساس نہ ہونے دیں کہ کلاس میں حاضری دینا وقت کا زیاں ہے۔ اساتذہ جن دسیوں سال پرانے نوٹس سے پڑھاتے ہیں، طلبہ ان کو پچاس پیسے فی صفحہ فوٹو کاپی کرا کے خود کیوں نہ پڑھ لیں اور وقت کا کوئی اور بہتر مصرف ڈھونڈ لیں؟ برائے مہربانی یہ نہ سوچیں کہ غیر سنجیدہ طالبِ علم ہی کلاسیں چھوڑتے ہیں، بہت سے ٹاپر بھی ایسا کرتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکادمک معیار کے لیے کلاسیں کرنا ضروری نہیں ہے۔

ایم. چیتیل سوودورا

□□□

(مترجم: معین الدین خاں)

تاریخِ ادبِ اُردو ۱۷۰۰ء تک

(جلد اوّل تا پنجم)

پروفیسر سیدہ جعفر۔ پروفیسر گیان چند جین

☆ عہدِ اولیں کے تمام مہیا مواد کا تحقیق شدہ نچوڑ۔
☆ محققین، اساتذہ، اہلِ علم و قلم، طلبہ اور عام اُردو داں حضرات کے لیے ایک بہترین تحفہ۔
☆ لائبریری اور دیگر اداروں کی اہم ضرورت۔
☆ یہ تاریخ نہیں دستاویز ہے۔
☆ قیمت فی جلد 170 روپے، مکمل سیٹ 850 روپے۔

جلد اوّل	صفحات 462	جلد دوم	صفحات 527
جلد سوم	صفحات 467	جلد چہارم	صفحات 431
جلد پنجم (مع اضافہ)	صفحات 443		

جو خریدار یا کتب فروش یکم جولائی 99 سے پیشتر یہ سیٹ خرید چکے ہیں کونسل سے مفت ضمیمہ طلب کر سکتے ہیں جو جلد پنجم کے تیرھویں باب پر مشتمل ہے۔

براہِ راست طلب کرنے پر طلبہ، اساتذہ اور اسکالرس کو خصوصی رعایت

صدر دفتر : قومی اُردو کونسل، ویسٹ بلاک۔ 1، ونگ۔ 6، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110 006

فون : 6103381, 6103938, 6179657 فیکس : 6108159

حیدرآباد شاخ : 5-4-435/20 گرین ہاؤس، اسٹیشن روڈ، نام پلی اسٹیشن روڈ، حیدرآباد۔ 500002

اے. آر. فتیحی

اتر پردیش اور اترانچل میں اردو آبادی

اتر پردیش کا رقبہ	2,94,411 مربع کلومیٹر	اترانچل کا رقبہ	55845 مربع کلومیٹر
کل آبادی	1320.5 لاکھ	کل آبادی	70.5 لاکھ
راجدھانی	لکھنؤ	راجدھانی	دہرادون
اہم زبانیں	ہندی اور اردو	اہم زبانیں	ہندی، اردو اور پہاڑی

اتر پردیش

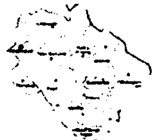

اترانچل

اتر پردیش کی تاریخ بہت قدیم اور دلچسپ ہے۔ ویدوں کے آخری دور میں اسے برہمرشی دیش یا مدھیہ دیش کے نام سے جانا جاتا تھا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں اتر پردیش میں دو مذاہب جین مت اور بدھ مت تھے۔ اتر پردیش نے اپنی علمی برتری کو انگریزوں کے دور حکومت میں بھی برقرار رکھا۔ انگریزوں نے آگرہ اور اودھ نام کے دو صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ بنایا اور اس کا نام ممالک متحدہ آگرہ اودھ رکھا اور آگرہ اودھ متحدہ ریاست کے نام سے پکارا جانے لگا۔ بعد میں 1935ء میں اسے مخفف طور پر صرف صوبہ متحدہ کا نام دیا گیا۔ آزادی کے بعد جنوری 1950ء میں اس کا نام اتر پردیش رکھا گیا۔ اتر پردیش کی شمالی سرحد تبت اور نیپال سے متصل ہے۔ اس کے شمال مغرب میں ہماچل پردیش، مغرب میں ہریانہ، جنوب میں مدھیہ پردیش اور مشرق میں بہار ریاست ہے۔ اتر پردیش کو تین امتیازی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (1) شمال میں پہاڑوں کا سلسلہ (2) جنوبی پہاڑ اور پہاڑیاں اور (3) گنگا کا میدان۔

اترانچل کی نئی ریاست دراصل ریاست اتر پردیش کا پہاڑی حصہ ہے۔ یہ ریاست 9 نومبر 2000 کو وجود میں آئی۔ اس میں 13 اضلاع شامل ہیں۔ اس ریاست کی مانگ سب سے پہلے 1928 میں انڈین نیشنل کانگریس کے کراچی سیشن میں اٹھی تھی۔ 1950 کی دہائی میں بھی یہ مانگ سامنے لائی گئی۔ بالآخر 9 نومبر 2000 کو اترانچل ریاست وجود میں آئی۔ اس ریاست میں پانچ لوک سبھا اور تین راجیہ سبھا کی سیٹیں ہیں اس کی اسمبلی میں 70 ممبران ہوں گے۔

ٹیبل۔1: اتر پردیش میں ضلعوں کی آبادی، اردو آبادی، رقبہ اور صدر دفاتر

نمبر	ضلع	رقبہ مربع کلومیٹر	آبادی (لاکھ)	صدر دفاتر	اردو آبادی (لاکھ)	فی صد (کل آبادی و اردو آبادی)	مسلم آبادی (لاکھ)	فی صد (کل آبادی و مسلم آبادی)	فی صد (اردو آبادی و مسلم آبادی)
1	آگرہ	4027	27.5	آگرہ	1.0	3.7	3.0	11.0	33.9
2	علی گڑھ	5019	33.0	علی گڑھ	2.5	7.6	4.8	14.6	52.2
3	الہ آباد	2261	49.2	الہ آباد	2.2	4.5	6.4	12.9	35.0
4	اعظم گڑھ	4234	31.5	اعظم گڑھ	2.9	9.0	4.1	13.0	69.5
5	بہرائچ	6877	27.6	بہرائچ	3.1	11.2	8.3	29.9	37.5
6	بلیا	2981	22.6	بلیا	0.5	2.1	1.4	6.0	35.1

7	باندہ	7624	18.6	باندہ	0.4	2.1	1.2	6.4	33.5
8	بارہ بنکی	4402	24.2	بارہ بنکی	2.4	10.1	5.2	21.7	46.5
9	بریلی	4120	28.3	بریلی	4.7	16.5	9.3	32.7	50.4
10	بستی	3733	27.4	بستی	2.1	7.6	4.5	16.5	46.0
11	بجنور	4561	24.5	بجنور	7.2	29.2	9.9	40.4	72.3
12	بدایوں	5168	24.5	بدایوں	2.4	9.9	5.1	20.7	48.0
13	بلند شہر	4352	28.5	بلند شہر	3.1	10.8	5.6	19.8	54.6
14	دیوریا	2613	44.4	دیوریا	1.1	2.5	9.0	20.2	12.3
15	ایٹہ	4446	22.4	ایٹہ	1.3	5.8	2.5	11.3	51.5
16	اٹاوہ	4326	21.2	اٹاوہ	0.7	3.1	1.4	6.6	46.5
17	فیض آباد	4511	29.8	فیض آباد	2.3	7.6	4.0	13.4	56.9
18	فرخ آباد	4274	24.4	فتح گڑھ	1.7	7.0	3.5	14.2	49.1
19	فتح پور	4152	19.0	فتح پور	1.1	5.7	2.4	12.6	45.2
20	فیروز آباد	2361	15.3	فیروز آباد	0.8	5.5	1.6	10.8	51.2
21	غازی آباد	2590	27.0	غازی آباد	1.9	7.2	5.7	21.2	33.9
22	غازی پور	3377	24.2	غازی پور	1.3	5.5	2.4	10.1	54.5
23	گونڈہ	7352	35.7	گونڈہ	3.6	10.0	9.1	25.4	39.6
24	گورکھپور	3325	30.7	گورکھپور	1.2	3.8	2.5	8.1	47.3
25	حمیر پور •	4098	14.7	حمیر پور	0.4	2.6	1.1	7.3	35.5
26	ہردوئی	5986	27.5	ہردوئی	1.3	4.9	3.5	12.6	38.9
27	جالون	4565	12.2	اورئی	0.5	4.2	1.1	9.3	45.0
28	جونپور	4038	32.1	جونپور	1.3	4.1	3.1	9.7	41.9
29	جھانسی	5024	14.3	جھانسی	0.3	1.9	1.2	8.4	22.8
30	کانپور (دیہات)	5111	21.4	اکبر پور	1.3	5.9	1.5	6.9	85.7
31	کانپور (شہر)	1065	24.2	کانپور نگر	2.9	11.9	4.3	17.8	66.9
32	کھیری	7680	24.2	کھیری	1.4	5.7	4.4	18.1	31.8
33	للت پور	5039	7.5	للت پور	0.09	1.2	0.2	2.7	42.7
34	لکھنؤ	2528	27.6	لکھنؤ	3.5	12.8	5.4	19.7	65.3
35	مہاراج گنج	2948	16.8	مہاراج گنج	0.5	3.2	2.7	15.9	20.3
36	مین پوری	2760	13.2	مین پوری	0.5	3.7	0.7	5.1	72.1
37	متھرا	3811	19.3	متھرا	0.3	1.7	1.6	8.1	20.6
38	مئو	1713	14.5	مئو	2.0	13.9	2.6	17.9	77.6
39	میرٹھ	3911	34.5	میرٹھ	9.0	26.1	9.5	27.5	94.9
40	مرزاپور	4522	16.6	مرزاپور	0.2	1.4	1.2	7.0	20.6
41	مراد آباد	5967	41.2	مراد آباد	11.6	28.2	17.6	42.7	66.1

42	مظفرنگر	4008	28.4	مظفرنگر	4.3	15.0	9.8	34.5	43.5
43	پیلی بھیت	3499	12.8	پیلی بھیت	1.9	14.8	3.0	23.1	64.1
44	پرتاپ گڑھ	3717	22.1	پرتاپ گڑھ	1.0	4.4	2.9	13.2	33.6
45	رائے بریلی	4609	23.2	رائے بریلی	0.8	3.5	2.6	11.3	30.9
46	رام پور	2367	15.0	رام پور	5.8	38.5	7.2	47.9	80.2
47	سہارن پور	3689	23.1	سہارن پور	5.6	24.3	8.3	36.1	67.3
48	شاہ جہاں پور	4575	19.9	شاہ جہاں پور	2.1	10.5	3.5	17.6	59.8
49	سدھارتھ نگر	3495	17.1	نوگڑھ	2.4	13.9	4.9	28.8	48.3
50	سیتاپور	5743	28.6	سیتاپور	2.5	8.8	5.0	17.4	50.8
51	سون بھدر	6788	10.8	رابرٹس گنج	0.07	0.7	0.5	4.9	13.4
52	سلطان پور	4436	25.6	سلطان پور	1.8	7.0	3.3	12.9	53.9
53	اناؤ	4558	22.0	اناؤ	0.8	3.8	2.3	10.7	35.4
54	وارنسی	4036	48.6	وارنسی	3.2	6.5	6.2	12.8	50.8
	کل		1320.5		120.86	9.15	234.1	17.7	51.6

اس کے علاوہ اتر پردیش میں جیوتی باپھولے نگر، باغپت، گوتم بدھ نگر، ہاتھرس، قنوج، اوریا، مہوبا، چترکوٹ، کوشمبی، امبیڈکر نگر، شرسوتی، بلرام پور، سنت کبیر نگر، کوشی نگر، چندولی اور سنت روی داس نگر اضلاع شامل کیے گئے ہیں۔ اور اس طرح اتر پردیش میں کل اضلاع کی تعداد 70 ہو جاتی ہے۔

ٹیبل ۔2: اترانچل میں ضلعوں کی آبادی، اردو آبادی، رقبہ اور صدر دفاتر

نمبر	ضلع	رقبہ مربع کلومیٹر	آبادی (لاکھ)	صدر دفاتر	اردو آبادی (لاکھ)	فی صد (کل آبادی و اردو آبادی)	مسلم آبادی (لاکھ)	فی صد (کل آبادی و مسلم آبادی)	فی صد (اردو آبادی و مسلم آبادی)
1	الموڑا	5385	8.4	الموڑا	0.03	0.4	0.05	0.6	55.3
2	چمولی	9126	4.5	گوپیشور	0.006	0.1	0.03	0.7	19.2
3	دہرادون	3088	10.3	دہرادون	0.5	4.4	1.0	9.6	45.8
4	پوڑی گڑھوال	5438	6.8	گڑھوال	0.06	0.9	0.2	2.3	39.1
5	نینی تال	6794	15.4	نینی تال	1.6	10.7	2.3	15.2	70.3
6	پتھوراگڑھ	8856	5.7	پتھوراگڑھ	0.01	0.2	0.03	0.5	46.5
7	ٹہری گڑھوال	4421	5.8	نئی ٹہری	0.006	0.1	0.05	0.8	12.2
8	اترکاشی	8016	2.4	اترکاشی	0.008	0.3	0.02	0.9	37.6
9	ہردوار	2360	11.2	ہردوار	1.8	16.4	3.4	30.1	54.7
	کل		70.5		4.02	5.7	7.08	10.0	56.8

اس کے علاوہ اترانچل میں رودراپریاگ، باگیشور، چمپاوات اور ادھم سنگھ نگر اضلاع شامل کیے گئے ہیں۔ اور اس طرح اترانچل میں کل اضلاع کی تعداد 13 ہو جاتی ہے۔

ٹیبل 1 اور 2 کے اعداد و شمار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان اضلاع کی آبادی میں نمایاں فرق ہے۔ یہ فرق چند سو سے لے کر ہزاروں تک جاتا ہے۔ اتر پردیش میں آبادی کے لحاظ سے الہ آباد سب سے گھنی آبادی والا اور للت پور سب سے کم آبادی والا ضلع ہے۔ اترانچل میں نینی تال سب سے گھنی آبادی والا اور اترکاشی

سب سے کم آبادی والا ضلع ہے۔ رقبے کے اعتبار سے بھی اتر پردیش اور اترانچل کے تمام اضلاع میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ اتر پردیش میں کانپور شہر اور اترانچل میں ہردوار رقبے کے اعتبار سے سب سے چھوٹا ضلع ہے اور اسی طرح لکھیم پور کھیری اور چمولی سب سے بڑا۔ اس ٹیبل سے اتر پردیش اور اترانچل کے مختلف اضلاع میں اردو آبادی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اردو آبادی کے اعتبار سے اتر پردیش میں مرادآباد ضلع اور اترانچل میں ہردوار ضلع کو اولیت حاصل ہے۔ مرادآباد میں 11.6 لاکھ اور ہردوار میں 1.8 لاکھ سے زیادہ کی آبادی اردو بولتی ہے۔ یہ آبادی مرادآباد کی کل آبادی کا 28.2 فی صد اور ہردوار کی کل آبادی کا 16.4 فی صد ہے۔ اتر پردیش میں اردو بولنے والی کل آبادی 120.88 لاکھ اور اترانچل میں 4.02 لاکھ ہے۔ جس میں 55.67 لاکھ (46%) اردو داں طبقہ دیہی علاقے میں اور 65.16 لاکھ (54%) شہری علاقے میں رہتا ہے۔ اسی طرح اترانچل میں 2.13 لاکھ (51%) اردو داں طبقہ دیہی علاقے میں اور 2.04 لاکھ (49%) شہری علاقے میں رہتا ہے۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اتر پردیش میں اردو ایک شہری زبان کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ اترانچل میں دیہی زبان کی۔ اس بات کو بخوبی سمجھنے کے لیے مندرجۂ ذیل گراف کی مدد لی جا سکتی ہیں :

گراف-1: اردو داں طبقے میں دیہی اور شہری آبادی کا تناسب

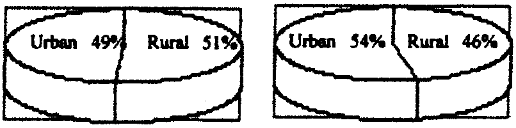

اترانچل — اتر پردیش

اس گراف سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کے اتر پردیش صوبے کی اردو آبادی کا ایک بڑا حصہ شہروں میں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کے اتر پردیش میں اردو زبان کا لسانی مزاج شہری ہے جبکہ اترانچل صوبے کے اردو آبادی کا ایک بڑا حصہ دیہاتوں میں رہتا ہے جس کی وجہ کر اترانچل میں اردو زبان کا لسانی مزاج دیہی ہے۔ اتر پردیش میں 120.88 لاکھ کی کل اردو آبادی میں 63.72 لاکھ مرد ہیں اور 57.16 لاکھ عورتیں ہیں۔ اسی طرح اترانچل میں 4.02 لاکھ کی کل اردو آبادی میں 2.18 لاکھ مرد ہیں اور 1.94 لاکھ عورتیں ہیں۔ اردو کی کل آبادی میں یہ فرق کسی نمایاں تانیثی فرق (Gender Difference) کی عکاسی نہیں کرتا۔

اتر پردیش اور اترانچل میں اردو آبادی کے اعداد و شمار کی بنیاد پر ان دس اضلاع کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں اردو آبادی کا تناسب 10 فی صد سے زیادہ ہے۔ حکومت اتر پردیش نے اتر پردیش کے تمام اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ اس طرح ریاست اتر پردیش اور اترانچل کے تمام اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم دیتی ہے کہ دوسری سرکاری زبان کے طور پر اردو کے عملی نفاذ کے لیے حکومت ایک عدالتی فیصلے کی منتظر ہے جو سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ مندرجۂ ذیل ٹیبل میں اردو آبادی والے دس اہم اضلاع کی کل آبادی، اردو آبادی اور ان کا تناسب پیش کیا گیا ہے :

ٹیبل-3: 10 فیصد کے قریب اردو آبادی والے اضلاع

نمبر	ضلع	کل آبادی (لاکھ)	کل اردو آبادی (لاکھ)	فی صد
1	بریلی	28.3	4.7	16.47
2	بجنور	24.5	7.2	29.16
3	ہردوار	11.2	1.8	16.44
4	میرٹھ	34.5	9.0	26.10
5	مرادآباد	41.2	11.6	28.24
6	مظفرنگر	28.4	4.3	15.02
7	پیلی بھیت	12.8	1.9	14.83

8	رام پور	15.0	5.8	38.46
9	سہارن پور	23.1	5.6	24.31
10	سدھارتھ نگر	17.1	2.4	13.91

اس جدول کے اعداد و شمار سے مندرجۂ ذیل چند اہم نکات ابھر کر سامنے آتے ہیں :

- سبھی دس اضلاع میں اردو آبادی کا تناسب 10 فی صد سے زیادہ ہے۔
- سدھارتھ نگر میں اردو آبادی 2 لاکھ سے زیادہ ہے اور اس کا تناسب 13.91 فی صد ہے۔
- رام پور میں اردو آبادی سب سے زیادہ ہے اور یہ تناسب 38.46 فی صد ہے۔
- ان اضلاع میں ضلع ہردوار اترانچل میں آتا ہے۔
- ہردوار کے علاوہ اترانچل کے ضلع نینی تال میں بھی اردو آبادی 10 فی صد سے زیادہ ہے۔

مندرجۂ ذیل گراف کی مدد سے ان اضلاع میں کل آبادی اور اردو آبادی کے تناسب کو پیش کیا گیا ہے۔ اس گراف سے کل آبادی اور اردو آبادی کے فرق کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

گراف-2: کل آبادی اور اردو آبادی کا تناسب

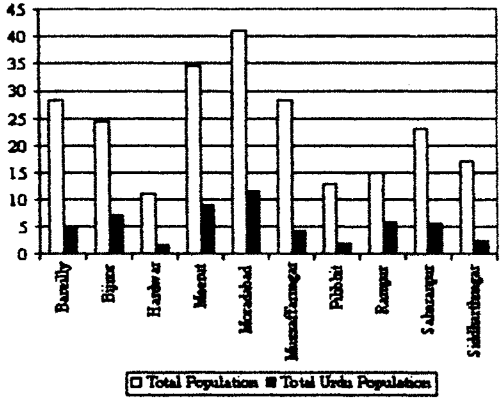

اس گراف سے یہ ظاہر ہے کہ سدھارتھ نگر ضلع میں کل آبادی اور اردو آبادی کے درمیان فرق سب سے زیادہ ہے اور ضلع رام پور میں یہ فرق سب سے کم ہے۔

اردو مسلم تشخص کی علامت؟

اردو کو ہمیشہ مسلم تشخص کی علامت سمجھا گیا ہے۔ زیر نظر مطالعے میں اعداد و شمار کے حوالے سے اس بنیادی سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے لیے مندرجۂ ذیل جدول میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کے تناسب کو پیش کیا گیا ہے:

ٹیبل-4: اتر پردیش میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب

نمبر	ضلع	اردو آبادی (لاکھ)	مسلم آبادی (لاکھ)	فی صد
1	آگرہ	1.0	3.0	33.9
2	علی گڑھ	2.5	4.8	52.2
3	الہ آباد	2.2	6.4	35.0
4	اعظم گڑھ	2.9	4.1	69.5
5	بہرائچ	3.1	8.3	37.5
6	بلیا	0.5	1.4	35.1
7	باندہ	0.4	1.2	33.5
8	بارہ بنکی	2.4	5.2	46.5
9	بریلی	4.7	9.3	50.4
10	بستی	2.1	4.5	46.0
11	بجنور	7.2	9.9	72.3
12	بدایوں	2.4	5.1	46.0
13	بلند شہر	3.1	5.6	54.6
14	دیوریا	1.1	9.0	12.3
15	ایٹہ	1.3	2.5	51.5
16	اٹاوہ	0.7	1.4	46.5
17	فیض آباد	2.3	4.0	56.9
18	فرخ آباد	1.7	3.5	49.1
19	فتح پور	1.1	2.4	45.2
20	فیروز آباد	0.8	1.6	51.2
21	غازی آباد	1.9	5.7	33.9
22	غازی پور	1.3	2.4	54.5
23	گونڈہ	3.6	9.1	39.6
24	گورکھپور	1.2	2.5	47.3
25	حمیر پور	0.4	1.1	35.5
26	ہردوئی	1.3	3.5	38.9
27	جالون	0.5	1.1	45.0
28	جونپور	1.3	3.1	41.9
29	جھانسی	0.3	1.2	22.8
30	کانپور (دیہات)	1.3	1.5	85.7
31	کانپور (شہر)	2.9	4.3	66.9
32	کھیری	1.4	4.4	31.8
33	للت پور	0.09	0.2	42.7
34	لکھنؤ	3.5	5.4	65.3
35	مہاراج گنج	0.5	2.7	20.3
36	مین پوری	0.5	0.7	72.1
37	متھرا	0.3	1.6	20.6
38	مئو	2.0	2.6	77.6
39	میرٹھ	9.0	9.5	94.9
40	مرزا پور	0.2	1.2	20.6
41	مراد آباد	11.6	17.6	66.1
42	مظفر نگر	4.3	9.8	43.5
43	پیلی بھیت	1.9	3.0	64.1
44	پرتاپ گڑھ	1.0	2.9	33.6
45	رائے بریلی	0.8	2.6	30.9
46	رام پور	5.8	7.2	80.2
47	سہارن پور	5.6	8.3	67.3
48	شاہ جہاں پور	2.1	3.5	59.8
49	سدھارتھ نگر	2.4	4.9	48.3
50	سیتا پور	2.5	5.0	50.8
51	سون بھدر	0.07	0.5	13.4
52	سلطان پور	1.8	3.3	53.9
53	اناؤ	0.8	2.3	35.4
54	وارسی	3.2	6.2	50.8

ٹیبل-5: اترانچل میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب

نمبر	ضلع	اردو آبادی (لاکھ)	مسلم آبادی (لاکھ)	فی صد
1	الموڑا	0.03	0.05	55.3
2	چمولی	0.006	0.03	19.2
3	دہرادون	0.5	1.0	45.8
4	پوری گڑھوال	0.06	0.2	39.1
5	ہردوار	1.8	3.4	54.7
8	نینی تال	1.6	2.3	70.3

46.5	0.03	0.01	چمولی گڑھ	7
12.2	0.05	0.006	ٹہری گڑھوال	8
37.6	0.02	0.008	اتر کاشی	9

ٹیبل 4 اور 5 کے تجزیاتی مطالعے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب تقریباً 50 فی صد کا ہے یعنی ان صوبوں میں 50 فی صد مسلم آبادی اردو کو مادری زبان تسلیم کرتی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو اور مسلم آبادی کے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے۔ اس مضبوط باہمی رشتے کے باوجود اتر پردیش اور اترانچل کے مسلم آبادی کا تقریباً 50 فی صد حصہ اردو کو اپنی مادری زبان تسلیم نہیں کرتا۔

اردو آبادی میں دہ سالہ اضافے کی شرح

اردو کی ترقی و ترویج کا بخوبی اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اردو آبادی کی دہ سالہ اضافے کی شرح کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے۔ اس مطالعے سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار سے اردو کی ترقی و ترویج کی رفتار اور اردو داں طبقے میں اس کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے پیش نظر 1971، 1981 اور 1991 کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی مدد سے اتر پردیش اور اترانچل میں اردو کی ترقی و ترویج کی رفتار کا اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیچے دیے گئے ٹیبل میں 1971، 1981 اور 1991 میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کے اضافے کی شرح کو واضح کیا گیا ہے:

ٹیبل-6: اردو اور مسلم آبادی میں اضافے کی شرح

1991	فی صد	1981	فی صد	1971		نمبر
24109684	26.76	17657735	22.55	13676533	مسلم	1
12492619	13.81	10767175	13.88	9273089	اردو	2

گراف-3: اضافے کی شرح

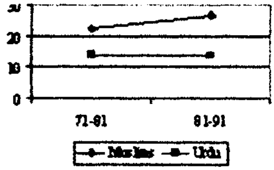

اس ٹیبل کے اعداد و شمار اور گراف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس صوبے میں مسلم آبادی میں اضافے کی شرح اردو آبادی میں اضافے کی شرح سے کہیں بہتر ہے۔ 1971 سے 1981 کے درمیان اردو آبادی میں اضافے کی شرح 13.88 فی صد تھی جو 1981 سے 1991 کے درمیان گھٹ کر 13.81 فی صد رہ گئی۔ مسلم آبادی میں اضافے کی شرح بہتر نظر آتی ہے۔

اردو آبادی میں لسانی تکثیریت

آج ہندستان میں لسانی تکثیریت کی شرح میں نمایاں اضافہ ہو رہا ہے۔ لسانی تکثیریت کی شرح میں اضافہ لسانی جمہوریت کا شاخسانہ ہے۔ اقلیتی لسانی جماعتوں میں عدم تحفظ کا احساس آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ نتیجتاً لسانی اقلیتیں ہر قسم کے لسانی اختلافات کو بھول کر لسانی تکثیریت کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اتر پردیش اور اترانچل میں بھی لسانی ارتباط کی فضا ہموار نظر آتی ہے۔ اس صوبے کی اردو آبادی میں لسانی تکثیریت کے رجحان کا بخوبی اندازہ کرنے کے لیے مندرجۂ ذیل ٹیبل میں یک لسانی اور ذولسانی آبادی کے اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں:

ٹیبل-7: اردو آبادی میں لسانی تکثیریت

			کل	فی صد	مرد	فی صد	عورت	فی صد	دیہی	فی صد	شہری	فی صد
اردو بولنے والے			124.9	(8.9) 28.7	65.9	52.7	59.1	47.2	57.8	46.2	67.2	53.7
یک لسانی			95.9	76.7	48.1	50.1	47.9	49.8				
ذولسانی			29.0	23.2	17.8	61.3	11.2	38.6				
نمبر	زبان	بولنے والے	فی صد	مرد	فی صد	عورت	فی صد					
1	انگلش	1.9	1.5	1.3	69	0.6	30.9					
2	ہندی	23.3	18.6	14.5	62	8.9	37.9					

ان اعداد وشمار کی تجزیے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس صوبے کی اردو آبادی میں ذولسانیت 23.2 فی صد ہے۔ یعنی اردو آبادی کا 23.2 فی صد طبقہ ایک سے زائد زبانوں سے واقف ہے۔ اتر پردیش اور اترانچل کی 23 فی صد سے زائد اردو آبادی ہندی زبان سے واقف ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو آبادی اکثریتی جماعتوں کے ساتھ باہمی لسانی اختلاط وارتباط میں یقین رکھتی ہے۔

اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی

اردو کی ترقی وترویج کا مسئلہ شرح خواندگی سے بھی جڑا ہوا ہے۔ ہندستان کی ریاست اتر پردیش اور اترانچل میں شرح خواندگی 33.17 فی صد ہے جو ہندستان کی عام شرح 42.8 فیصد سے بہت کم ہے۔ 2001 کے اعداد وشمار کے مطابق ہندستان کی شرح خواندگی 65.38 فی صد ہے جبکہ اتر پردیش میں شرح خواندگی 46.83 فی صد ہے۔ اترانچل میں صورت حال بہتر ہے اور اس صوبے کی شرح خواندگی 61.03 فی صد ہے۔

بہر کیف اگر اتر پردیش اور اترانچل کی اردو آبادی والے 10 اضلاع کی شرح خواندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اوپر کی شرح خواندگی میرٹھ کی ہے۔ 1991 کے اعداد وشمار کے مطابق اس کی شرح 41.0 فیصد ہے اور سب سے کم شرح خواندگی ضلع رام پور میں ہے جس کی کل شرح □19.8 فی صد ہے۔ ان اضلاع کی شرح خواندگی اطمینان بخش نہیں ہے کیونکہ ریاست اتر پردیش کی اوسط شرح خواندگی 33.17 فی صد جبکہ اردو آبادی والے اضلاع میں یہ شرح خواندگی گھٹ کر 19.8 فی صد سے 41.0 فی صد کے درمیان رہ جاتی ہے۔

اس تجزیاتی مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو آبادی والے اضلاع میں بالعموم شرح خواندگی ریاست کی شرح خواندگی سے بھی کم ہے۔ یہ صورت حال تشویشناک ہے اور اس صورت حال سے بخوبی نپٹنے کے لیے ایک کارگر لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔ اردو آبادی میں شرح خواندگی کی تفصیل مندرجۂ ذیل ٹیبل میں پیش کی گئی ہے۔

ٹیبل-8: اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی

نمبر	ضلع	کل آبادی (لاکھ)	کل تعلیم یافتہ (لاکھ)	مرد (لاکھ)	عورت (لاکھ)	دیہی (لاکھ)	شہری (لاکھ)
1	بریلی	28.3	7.4 (25.9%)	5.4 (72.8%)	2.0 (27.2%)	3.7 (50.0%)	3.7 (49.9%)
2	بجنور	24.5	7.8 (31.8%)	5.5 (69.8%)	2.4 (30.1%)	5.6 (71.1%)	2.3 (28.8%)
3	ہردوار	11.2	4.4 (38.9%)	2.9 (67.1%)	1.4 (32.8%)	2.5 (56.2%)	1.9 (43.7%)

6.1 (43.3%)	8.0 (56.6%)	4.5 (31.7%)	9.7 (68.2%)	14.1 (41.0%)	34.5	میرٹھ	4
4.4 (43.5%)	5.6 (56.4)%	2.7 (26.9%)	7.3 (73.0%)	10.0 (24.2%)	41.2	مرادآباد	5
3.0 (30.4%)	6.9 (69.5%)	3.0 (30.3%)	6.9 (69.6%)	10.0 (35.0%)	28.4	مظفرنگر	6
1.0 (29.4%)	2.3 (70.5%)	0.8 (24.2%)	2.4 (75.7%)	3.2 (25.2%)	12.8	پیلی بھیت	7
1.3 (44.9%)	1.6 (55.0%)	0.8 (27.5%)	2.2 (72.4%)	3.0 (19.8%)	15.0	رام پور	8
2.8 (36.9%)	4.9 (63.0%)	2.3 (30.4%)	5.4 (69.5%)	7.7 (33.4%)	23.1	سہارن پور	9
0.3 (6.9%)	3.4 (93.0%)	0.8 (20.7%)	2.9 (79.2%)	3.7 (21.4%)	17.1	سدھارتھ نگر	10

مندرجۂ ذیل گراف میں شرح خواندگی کا تصویری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

گراف-4: اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی

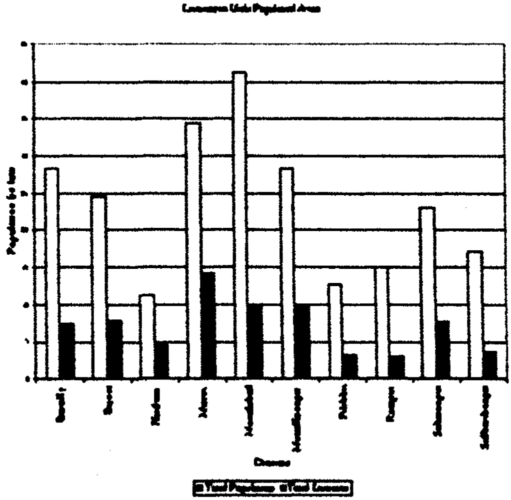

اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

اردو کی ترقی و فروغ کا معاملہ خصوصی طور پر تعلیم سے وابستہ ہے۔ اردو آبادی کی نئی نسل ناخواندگی کے سبب اردو زبان کی تحریری شکل سے ناواقف ہوتی جارہی ہے۔ اردو خواندگی کے فروغ کے لیے اردو تعلیم کی ترقی و ترویج لازمی شرط ہے۔ اردو کی ترقی اسکولی سطح کی اردو تعلیم اور کم از کم پرائمری اور جونیر ہائی اسکول (مڈل) سطح پر اردو

ذریعۂ تعلیم سے وابستہ ہے۔ صوبے کے اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم کا تجزیاتی جائزہ اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کی نشاندہی کرتا ہے۔ مندرجۂ ذیل ٹیبل اتر پردیش اور اترانچل کی اردو آبادی والے اضلاع کی تعلیمی صورت حال کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔

ٹیبل-9: اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

نمبر	ضلع	کل تعلیم یافتہ (لاکھ)	غیر رسمی تعلیم (لاکھ)	ابتدائی (لاکھ)	مڈل (لاکھ)	میٹرک (لاکھ)	10+2 (لاکھ)	بغیر ٹیکنیکل ڈپلوما (لاکھ)	ٹیکنیکل ڈپلوما (لاکھ)	گریجویٹ اور اس کے اوپر (لاکھ)
1	بریلی	7.4	0.3 (4.0%)	3.0 (40.6%)	1.8 (24.8%)	1.0 (13.7%)	0.6 (7.9%)	0.02 (0.2%)	0.017 (0.2%)	0.6 (8.2%)
2	بجنور	7.8	0.4 (4.8%)	3.7 (47.7%)	1.8 (22.6%)	1.0 (12.3%)	0.5 (6.8%)	0.007 (0.09%)	0.012 (0.1%)	0.4 (5.3%)
3	ہردوار	4.4	0.07 (1.6%)	1.9 (43.7%)	1.0 (22.3%)	0.6 (14.1%)	0.4 (8.4%)	0.01 (0.2%)	0.030 (0.6%)	0.4 (8.7%)
4	میرٹھ	14.1	0.9 (6.5%)	6.1 (43.3%)	2.9 (20.2%)	2.0 (14.2%)	1.1 (7.8%)	0.01 (0.07%)	0.016 (0.1%)	1.1 (7.7%)
5	مرادآباد	10.0	0.4 (4.4%)	4.4 (43.8%)	2.4 (23.9%)	1.2 (12.4%)	0.8 (7.9%)	0.03 (0.2%)	0.014 (0.1%)	0.7 (6.9%)
6	مظفرنگر	10.0	0.4 (4.3%)	4.9 (49.1%)	2.1 (20.9%)	1.3 (12.9%)	0.7 (7.1%)	0.01 (0.1%)	0.017 (0.1%)	0.5 (5.2%)
7	پیلی بھیت	3.2	0.1 (2.9%)	1.7 (52.5%)	0.7 (22.1%)	0.4 (11.2%)	0.2 (6.4%)	0.004 (0.1%)	0.003 (0.1%)	0.1 (4.5%)
8	رام پور	3.0	0.1 (3.6%)	1.4 (45.7%)	0.7 (24.6%)	0.4 (12.0%)	0.2 (6.9%)	0.01 (0.3%)	0.005 (0.1%)	0.2 (6.5%)
9	سہارن پور	7.7	0.2 (2.5%)	3.8 (49.2%)	1.9 (24.7%)	1.0 (13.0%)	0.5 (7.1%)	0.04 (0.5%)	0.016 (0.2%)	0.5 (6.6%)
10	سدھارتھ نگر	3.7	0.2 (6.5%)	2.0 (54.2%)	0.7 (18.8%)	0.4 (10.1%)	0.2 (6.7%)	0.02 (0.4%)	0.005 (0.1%)	0.1 (3.0%)

اس ٹیبل سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ان اضلاع کی 54 فی صد خواندہ آبادی پرائمری تعلیم سے آگے کی تعلیم نہیں حاصل کر پاتی۔ بالفاظ دیگر پرائمری سطح پر ''ڈراپ آؤٹ'' کافی صد 54 ہے۔ پرائمری، مڈل اور ہائی اسکول تک کے تعلیمی سلسلے کی ٹوٹی ہوئی کڑی کو جوڑنے کے لیے موثر اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس چارٹ سے پرائمری سطح پر سلسلۂ تعلیم کے ختم ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو تعلیم کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے موثر قدم اٹھائے جائیں۔ مندرجۂ بالا ٹیبل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو آبادی کے لیے باقاعدہ اور منظم پالیسی بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ پالیسی اتنی حساس ہونی چاہیے کہ ان تمام عوامل کو پیش نظر رکھ سکے جو اردو تعلیم سے بیگانگی کے ذمہ دار ہیں۔ اس پالیسی کے تحت ان وجوہات پر غور کرنا ہوگا جن کی بدولت اردو کی ترقی سے متعلق سرکاری پالیسیاں مسلسل ناکام ہوتی رہی ہیں۔ اردو تعلیم کو کارگر بنانے کے لیے ایسے اقدام اٹھانے ہوں گے جن کے تحت اردو تعلیم کو بازار کی ضرورتوں سے جوڑا جا سکے اور تکنیکی و انتظامی سطح پر اس کی افادیت نمایاں کی جا سکے۔ جدید کاری کی یہ کوششیں اردو تعلیم کو مذہبی اور دینی تعلیم کے محدود دائرے سے باہر نکالنے میں کارگر ثابت ہوں گی۔ اس صورت حال کی تصویری نمائندگی کے لیے مندرجۂ ذیل چارٹ کی مدد لی گئی ہے:

گراف-5: اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

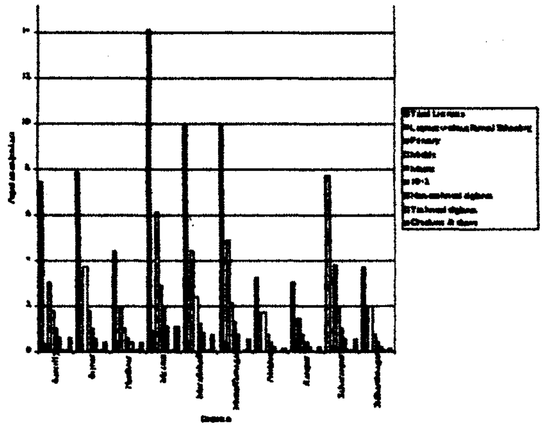

اردو ذریعۂ تعلیم

دستور ہند کی مختلف دفعات اور شقوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندستان کے شہریوں کو اپنی لسانی اور تہذیبی میراث کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ دفعہ A-350 کے مطابق "ہر ریاست اور ریاست کے ہر با اختیار ادارے کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ لسانی اقلیت سے تعلق رکھنے والے بچوں کو ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم دینے کے لیے معقول سہولیات مہیا کرے اور اگر صدر اس طرح کی سہولیات فراہم کرنے کو لازمی یا مناسب سمجھے تو وہ اس سلسلے میں کسی بھی ریاست کے نام ہدایت جاری کرسکتا ہے۔"

دستور کی دفعہ A-350 کے رو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ریاستی یا مرکزی حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ عوام کی مرضی کے خلاف ذریعۂ تعلیم کے طور پر کوئی بھی زبان استعمال کرے۔ اس پس منظر میں جب ہم صوبے اتر پردیش اور اترانچل کے ذریعۂ تعلیم میں مستعمل زبانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجۂ ذیل تفصیلات ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ان تفصیلات کو ٹیبل کی شکل میں نیچے پیش کیا گیا ہے۔

	پرائمری	اپر پرائمری	سیکنڈری	ہائر
NCERT Third Survey	4	4	4	4
NCERT Fifth Survey	3	3	2	2

مندرجۂ بالا اعداد و شمار سے محسوس ہوتا ہے کہ حکومت اتر پردیش اور اترانچل نے صوبے کی کثیر لسانی صورت حال کو بخوبی سمجھا ہے اور اس پیش نظر کئی زبانوں کو بطور ذریعۂ تعلیم استعمال کیا ہے۔ NCERT کے تیسرے سروے کے مطابق پرائمری سطح پر چار زبانیں ذریعۂ تعلیم کے طور پر فراہم تھیں۔ سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری کی سطح پر بھی 4 زبانوں میں تعلیم دستیاب تھی۔ لیکن بعد میں پرائمری سطح پر زبانوں کی تعداد میں کمی کی گئی اور NCERT کے پانچویں سروے کے مطابق اتر پردیش اور اترانچل میں پرائمری سطح پر 3 زبانوں (ہندی، اردو، انگریزی) میں تعلیم دستیاب ہے۔ سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سطح پر صرف 2 زبانیں (ہندی اور انگریزی) رہ گئیں۔ اتر پردیش میں اردو ذریعۂ تعلیم کی سہولت پرائمری اور جونیر ہائی اسکول تک محدود ہے۔ سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سطح پر اردو ذریعۂ تعلیم کی سہولت دستیاب نہیں ہے شاید اسی وجہ سے پرائمری سطح پر "ڈراپ آؤٹ" کافی صد تشویشناک حد تک زیادہ ہے۔ راقم الحروف کی ایک پروجکٹ رپورٹ "اتر پردیش میں اردو" میں بھی ان تعلیمی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔

Principal Publication Officer
NCPUL, New Delhi

سیّد شہاب الدین

مقصد ترقی ہو — بین اسلامی ادّعایت نہیں

"دی پائنیر" کے 22/اپریل اور 22 جون کے شماروں میں اطہر فاروقی کا مضمون A Vision for Creative Role of Islam اور سلمان خورشید کا ردِ عمل Religion and Modernity پڑھا۔ مسلمانوں میں جدیدیت، اردو کی صورتِ حال اور اس کے ساتھ ساتھ مسلم ہندستانیوں کو درپیش بہت سے دیگر مسائل کو خلط ملط کرنے کے باوجود ان دونوں مضامین کا مرکزی خیال ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

فکری سطح پر میرے لیے یہ بات نہایت سہل ہے کہ میں ہندستان کی اردو داں اقلیت کے مسائل کا تجزیہ اکیسویں صدی میں عالمی منظرنامے پر اسلام کو درپیش مسائل اور مشکلات کی تفصیل میں جائے بغیر یا ایک معلنہ سیکولر جمہوری وفاق کے شہری کے طور پر مسلم ہندستانیوں (جو اردو بولنے والوں کے مقابلے میں تقریباً دو گنی تعداد میں ہیں) کی ناآسودہ تمناؤں اور شکووں کا ذکر کیے بغیر کروں۔ میرے خیال میں احسن رویّہ یہ ہوگا کہ میں تجزیاتی اپروچ اختیار کروں۔ اس لیے میرا استدلال یہ ہے کہ اردو کے حوالے سے ہم اپنی فکر کو اس بات پر مرتکز کریں کہ اس دیش میں جہاں اردو جنمی ہے، یہ زبان زندہ رہے اور پھلے پھولے — بول چال کی زبان کے طور پر بھی اور اپنی تحریری شکل میں بھی۔

میرے خیال میں یہ بات مسلم امۃ (جس میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو اکثریتی فرقے کے طور پر اپنے اپنے ممالک میں برسر اقتدار ہیں، اور وہ مسلمان بھی جنھیں اقلیت کے طور پر اپنے ممالک کے سیاسی نظام سے مطابقت پیدا کرنی ہے) پر چھوڑ دینی چاہیے کہ وہ حالات کے مطابق معاملات کے لیے مناسب طریق کار اختیار کریں۔ عہدِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی ایسی تشریح نو (جو مذہبی طور پر سب مسلمانوں کو قابلِ قبول ہو) کرنے کا کام بھی وہ لوگ اپنے اپنے طور پر کریں۔ مسلمانوں کو ان مختلف النوع عالمی قوتوں کے سامنے اپنی حیثیت منوانے اور اپنی بقا کے لیے بھی حکمتِ عملی خود ہی وضع کرنی ہوگی جو سائنس، ٹکنالوجی، اطلاعاتی یلغار، صنعتی انقلاب، معاشی عالم کاری، جمہوریت، سیکولرزم، نئے بین الاقوامی سیاسی نظام اور عالمی سطح پر سماجی اور تہذیبی تبدیلیوں کی پروردہ ہیں۔

میرے خیال میں مسلم ہندستانیوں کو اپنی بقا کے لیے ایسا لائحۂ عمل از خود وضع کرنا چاہیے جو انھیں مساوات، انصاف اور عزت و وقار کی زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرے۔ ہندستان دنیا کے تقریباً دس فی صد مسلمانوں کا گھر ہے اور اپنے اس گھر میں مسلمان ایک ایسا لائحۂ عمل وضع کرنے میں پہلے ہی پچاس سال پیچھے رہ گئے ہیں جو ملک کی مذہبی اکثریت اور ریاست کے ساتھ قابلِ قبول اور پائیدار رشتوں کی استواری میں معاون ہو سکتا ہے۔ حاشیے پر زندگی گزارنے والے دوسرے سماجی فرقوں کے ساتھ رشتے استوار کرنے کے معاملے میں بھی مسلم ہندستانیوں کی صورتِ حال مختلف نہیں۔

جب ہم ہندستان میں اردو کی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان کے فروغ کے مقاصد کو سب سے زیادہ نقصان اس نظریے سے پہنچا ہے جس نے اردو کے مسائل کو مسلم سوال کے طور پر پیش کیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہندستان جیسے کثیر لسانی ملک میں زبان کا سوال دراصل ایک قومی سوال ہے کیوں کہ یہاں بہت سی اقلیتی زبانیں ہیں؛ یہاں تک کہ یہاں کی بڑی زبانیں تک جو آئین کے آٹھویں شیڈیول میں شامل ہیں اور ایک یا ایک سے زیادہ صوبوں میں اکثریت کی زبانیں ہیں، وہ بھی عددی اعتبار سے دوسرے صوبوں میں اقلیتی زبانوں کے زمرے میں آجاتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی مدرسوں نے — خصوصاً ان علاقوں میں جہاں اردو بولی جاتی ہے — اردو کو زندہ رکھنے میں اہم رول ادا کیا ہے مگر پھر بھی ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ دینی تعلیم کے ان اداروں کے اپنے الگ مقاصد ہیں اور اپنی حد بندیاں۔ غیر اردو داں علاقوں میں مذہبی تعلیم کا ذریعہ وہاں کی علاقائی زبانیں ہیں۔ دینی مدارس کے چونکہ اپنے مقاصد ہیں اس لیے اردو داں آبادی کے علاقوں میں بھی اگر زبان کے طور پر اردو کا دائرہ سمٹ جائے تو یہ ادارے مذہبی تعلیم کے حصول کے لیے صوبے کی دیگر مستعمل زبانوں کو اختیار کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔ واضح لفظوں

● سیّد شہاب الدین کا یہ مضمون انگریزی روزنامہ دی پائنیر کے 11/جولائی کے شمارے میں ادارتی صفحے پر شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اسی اخبار میں دو قسطوں میں شائع ہونے والے اطہر فاروقی کے ایک مضمون (A Vision for Creative Role of Islam) اور اس پر سلمان خورشید کے ردِ عمل (Religion and Modernity) مطبوعہ 22/جون کے جواب میں ہے۔ اطہر فاروقی کا مضمون ہم نے گذشتہ ماہ 'دی پائنیر' کے شکریے کے ساتھ شائع کیا تھا۔ اب سیّد شہاب الدین کا ردِ عمل بھی نذرِ قارئین ہے۔

میں اردو کی ترقی ہوئی ہو یا اسے چھلانگ لگانے میں دینی مدارس کو کوئی تکلف نہیں ہوگا۔ اسی لیے اردو کے فروغ کا لائحۂ عمل مرتب کرتے وقت ہمارا وسیع تر مقصد اردو کا تحفظ ایک ایسی کل ہند مشترکہ کلچر کی زبان کے طور پر ہونا چاہیے جو دوسری کل ہند زبانوں کے شانہ بہ شانہ چل سکے۔

اس تناظر میں اصل مسئلہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اقلیتی زبانوں کے مسائل کے لیے کل ہند سطح پر ہی نہیں بلکہ صوبائی سطح پر بھی ایسے حل تلاش کریں جو انھیں تعلیم، اطلاعات اور انتظامیہ میں مناسب و منصفانہ مقام و مواقع فراہم کر سکیں۔ اردو کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ یہ ہندستان کی واحد بڑی زبان ہے جو ہر صوبے میں اقلیتی زبان کا درجہ رکھتی ہے۔

ہندستان کے وفاقی ڈھانچے میں مسئلہ کل ہند کردار کی حامل زبان کے طور پر اردو کی ترویج و فروغ اور اس کی حیثیت کو تسلیم کرنے کا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے مرکزی حکومت کا رول شروع ہوتا ہے۔ [ڈاکٹر حسین اسٹڈی سرکل کے ذریعے] گذشتہ فروری میں منعقدہ بین الاقوامی اردو کانفرنس کی کامیابی یہ ہے کہ یہ کانفرنس اس امر پر استصواب کرانے میں کامیاب ہو گئی کہ اردو کو اقلیتی زبان کے طور پر اس کا جائزہ حق کن خطوط پر ملے اور کس طرح اس کے بولنے والوں کو لازمی سہولیات مہیا کرائی جائیں۔ بالخصوص عوامی سطح پر اور اسکولی تعلیم میں اردو کو مرکزی حیثیت دے کر۔ مسلم ہندستانیوں کے حقوق کی لڑائی دراصل تمام مذہبی فرقوں اور نسلی گروہوں کے حقوق کی بھی لڑائی ہے، خواہ وہ دنیا میں کہیں بھی کیوں نہ آباد ہوں۔ ایک منفرد فرقے کے طور پر اپنی حیثیت کو تسلیم کرانا بھی اس جدوجہد کا حصہ ہے۔

سیاسی طور پر مسئلے کا نچوڑ یہ ہے کہ ہم تبدیلی کے عنصر اور قدامت پسندی کے درمیان ایک توازن پیدا کریں؛ سماجی تہذیبی حوالے سے کن چیزوں کو مسترد کریں اور کن کو جذب کریں، کن چیزوں سے بیگانگی یا دوری اختیار کریں اور کہاں شراکت کریں، یہ وہ نکات ہیں جن کا انتخاب غور و فکر اور متوازن رویے کے ساتھ کرنا ہوگا۔ ایسا کرنا نہایت ضروری اس لیے ہے کہ مسلمان ذہنی طور پر اس ملک و قوم سے بیگانہ نہ ہو جائے جس کا وہ نہ صرف جزو لاینفک ہے بلکہ اپنے ملک و قوم کی زرخیزی، اور ترقی و فلاح میں تخلیقی اور مثبت تعاون دے رہا ہے۔

اگر ہمارے ملک کے دوسرے فرقے مسلمانوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں تو پھر یہاں کے مسلمان عالمی سطح پر ایسے مسلم فرقے کے طور پر اپنی ایسی شبیہ بنانے سے گریز کریں گے جو کسی ایسے مذہبی شدت پسند تخریب کار یا دہشت گرد کی شبیہ ہے جو مسلم حکومت یا اسلامی اقتدار قائم کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

اسلام مخالف قوتیں اپنے مفادات کے لیے اگر مسلمانوں کی حتمی امیج پیش کرتی ہیں تو بھی مسلم ہندستانی فرقے کو اپنے آپ کو اس مشتبہ امیج کا ہدف تسلیم کر لینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مساوات، سماجی انصاف اور ترقی کے لیے آوازیں بلند کر رہے ہیں، وہ اپنی پیٹھ پر جو پہلے ہی کئی مسائل سے دوہری ہو گئی ہے، اسلامی مسائل کا بوجھ کیوں لا دیں؟

اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ مسلم ہندستانیوں کو قومی پیمانے پر فکر اسلامی کی تشکیلِ نو کا کام تمام مسلم ملت کی بھلائی کے لیے اپنے ذمے لینے کے بجائے مادرِ وطن میں اپنے لیے امن و آشتی اور عزت و وقار حاصل کرنے میں اپنی مساعی صرف کرنی چاہئیں۔ فکر اسلامی کی تشریحِ نو کا کام مسلم حکومتوں، عالم گیر پیمانے پر کام کرنے والے ماہرین اور اداروں پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی وہ اگر یہ کام کرنا چاہیں تو گذشتہ صدی کے دوسرے دہے میں علامہ اقبال کے خطبات جیسا اسلام کی تشریحِ نو کا ایک ایسا نیا سیٹ تیار کرنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

مختصراً اتنا کہوں گا کہ ہم کو اپنی تمام تر توجہ اردو کے حوالے سے اس کے اقلیتی کردار پر اور مسلم ہندستانیوں کے حوالے سے ایک ایسی مذہبی اقلیت کے طور پر جس کے حقوق کو آئینِ ہند نے تحفظ فراہم کیا ہے، مرکوز کرنی چاہیے۔ موجودہ حالات میں ہمیں عہدِ گذشتہ کے ان کل اسلامی دعووں سے فاصلہ اختیار کر لینا چاہیے جن کے مطابق ہمارے عطیات خلافت کے تحفظ میں معاون ہو سکتے تھے۔ امتِ مسلمہ کے طور پر بیداری کا احساس بس اب بہت ہو چکا۔ جو لوگ با وسائل، مقتدر اور طاقت ور ہیں وہی اب اس بوجھ کو ڈھوئیں۔

(ترجمہ: ارجمند آرا)

□□□

مصنف کا پتا :
N-44, Abul Fazal Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25

قومی اردو کونسل نے نہ صرف حوالہ جاتی بلکہ اعلیٰ درجات کی ضرورتوں کے مطابق درسی کتابیں شائع کی ہیں۔

طلبہ کے لیے خصوصی رعایت

پتا: قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

غلام نبی مومن

نفسیات کے تناظر میں پرائمری تعلیم کے مسائل

کسی بھی ملک کا تعلیمی نظام اس ملک کی ترقی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تعلیمی نظام اور درس و تدریس کا معیار مختلف شعبہ ہائے زندگی کے معیار کا تعین کرتا ہے۔ اسی لیے ترقی یافتہ ممالک اپنے نظامِ تعلیم کا بار بار جائزہ لیتے ہیں اور اس کی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کثیر آبادی والے ہندستان میں اس بات کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہاں کے نظامِ تعلیم کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیا جائے اور درس و تدریس کے معیار کو بھی پرکھا جائے خصوصاً پرائمری تعلیم کے نظام کو جس میں بچوں کی کثیر تعداد زیرِ تعلیم ہے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بچے قوم کا حقیقی سرمایہ ہیں۔ کسی بھی ملک و قوم کے مستقبل کا انحصار ان بچوں پر ہی ہوتا ہے۔ ملک و قوم کی ترقی کے وسائل میں تعلیمی نظام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس لیے نظامِ تعلیم کا مرکز و محور بچہ ہی ہوتا ہے۔ تعلیم کا مقصد بچوں کی مخفی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنا، انھیں جلا دینا اور ان کی شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں اور کردار کی نشوونما کرنا ہے تاکہ وہ فرد کی حیثیت سے کامیاب اور مطمئن زندگی گزار سکیں اور اجتماعی طور پر معاشرے اور سماج کی تشکیل میں حصہ لے سکیں۔ بچے کی ترقی میں پرائمری اسکول کی منزل انتہائی نازک، پیچیدہ اور فیصلہ کن ہوتی ہے، اس منزل کی اہمیت یوں ہے کہ عمر کے اس دور میں یعنی 6 سے 10 سال کے درمیان بچہ اپنے آس پاس کی دنیا کو حسیاتی سطح سے آگے بڑھ کر عقلی سطح پر دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بچے کے جسم، مزاج اور طبیعت میں تیزی سے تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اگر اس دور میں اس کی صحیح رہنمائی نہ ہو تو اس کے منفی اثرات تمام عمر اس کی زندگی پر پڑتے رہتے ہیں۔

مشہور ماہر نفسیات ژاں پیاژے (Jean Piaget) کے قول کے مطابق بچے میں غور و فکر کی نشوونما کے چار مرحلے ہیں جنھیں حسی حرکی (Senso-remotor)، ماقبل عملیاتی (Pre-operational)، ٹھوس عملیاتی (Concrete Operational) اور رسمی عملیاتی (Formal Operational) کہا جاتا ہے۔ تمام بچے نشوونما کے مذکورہ مرحلوں سے بلا تغیر ترتیب گزرتے ہیں لیکن ایک بچہ کس عمر میں کس مرحلے سے گزرے گا، اس کا انحصار بعض حیاتیاتی و نفسیاتی اور طبعی و سماجی ماحول کے عناصر پر ہوتا ہے۔

پرائمری اسکول یعنی پہلی سے پانچویں جماعت میں پڑھنے والے بچے ٹھوس عملیاتی مرحلے سے گزرتے ہیں۔ یہ مرحلہ تقریباً چھ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے اور گیارہ سال کی عمر تک جاری رہتا ہے۔ اس مرحلے کے دوران بچہ جسمانی نشوونما کے دو مدارج طے کرتا ہے۔ (الف) بچپن کی تبدیلی کا دور جو چھ تا آٹھ سال تک ہوتا ہے۔ (ب) بچپن کا آخری دور آٹھ سے بارہ سال تک ہوتا ہے۔ اس مرحلے کے دوران بچہ ذہنی سرگرمیوں کی مدد سے منطقی انداز میں سوچنا شروع کرتا ہے لیکن قابلِ مشاہدہ اشیا سے جڑا رہتا ہے اور انھیں سمجھنے کے لیے اسے مدد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس دور میں بچہ اپنے ذہن میں یعنی دل ہی دل میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے جنھیں پہلے صرف اعمال اور مقرون اشیا کی مدد سے انجام دیا کرتا تھا۔ گذشتہ مرحلوں میں اس کی فکر جزوی، غیر مربوط اور کسی ایک ہی چیز سے متعلق ہوا کرتی تھی لیکن اس مرحلے پر اس کی فکر عملیاتی ہو جاتی ہے جس میں رخ تبدیل کرنے، لچک پذیری اور معقولیت کی خوبیاں ہوتی ہیں۔

اس مرحلے میں بچہ بہت حساس ہوتا ہے اس لیے بروقت اس کی رہنمائی اور مدد کرنا اشد ضروری ہے۔ اگر مناسب مدد فراہم نہ کی گئی تو اس میں فکری کج روی پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ عملی بے راہ روی اور کردار کی گراوٹ کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس لیے بچے کے سامنے ایسے چیلنجز پیش کیے جائیں جو اس کی علمی تشنگی کو سیراب کریں اور اسے منطقی انداز میں سوچنے کے لیے تیار کریں۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کا موجودہ نظامِ تعلیم بچوں کو اس نوع کے چیلنجز اور مواقع فراہم نہیں کرتا۔ 'بھارت میں بنیادی تعلیم کی پبلک رپورٹ' (1998) میں کہا گیا ہے "بچوں کے 'کیوں' اور 'کیسے' سوالات پوچھنے کے فطری تجسس اور میلان کو اسکول کا ماحول خاموش کر دیتا ہے اور بچہ خاموشی کے ساتھ ایک مجہول سامع کی حیثیت قبول کر لیتا ہے۔" اس کا گہرا اثر بچے کی تعلیمی ترقی پر پڑتا ہے۔

ماہرینِ نفسیات کے نزدیک تعلیمی ترقی سے مراد اپنی دنیا کو سمجھنے کی صلاحیتوں اور انھیں روبہ عمل لانے کے طریقوں کی ترقی سے ہے اس سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ محض مہارتوں اور معلومات کا انبار لگا دیا جائے بلکہ یہ تعمیرِ نو کا عمل ہے جس کا نتیجہ مقداری لحاظ سے نئے اعمال (عملی سرگرمیوں) کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کئی ماہرینِ نفسیات کا خیال ہے کہ سماجی تجربے، فرد کے فکری رخ اور اپنے گرد و پیش کی دنیا کی صراحت کرنے کے

طریقے کا تعین کرتے ہیں۔ اس طرح اسکول، بچے کی علمی ترقی میں تکمیلی کردار ادا کرتا ہے۔

تحصیلِ علم، سماجی عمل کے مخصوص سیاق سے جڑا ہوتا ہے اور ترقی کا انحصار غور و فکر، اظہار اور عمل کے معتد طریقوں پر مہارت میں دسترس حاصل کرنے سے ہے۔ ملک کے بیشتر اسکولوں میں کھریا، تختۂ سیاہ اور بات چیت کے روایتی طریقۂ تدریس پر عمل کیا جاتا ہے۔ ان اسکولوں میں گھر کام اور امتحانات پر حد سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ ملک میں چند ایسے اسکول بھی کھولے گئے ہیں جہاں مذکورہ طریقے سے انحراف کرتے ہوئے عمل پر مبنی طریقۂ تدریس اختیار کیا گیا ہے۔ ان اسکولوں میں منصوبوں (Projects) اور عملی تجربوں کے ذریعے بچوں کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے۔ امتحانات صرف اونچی کلاسوں میں لیے جاتے ہیں اور وہ بھی دوستانہ ماحول میں۔ اس طرح کے اسکول نہ صرف دہلی جیسے بڑے شہروں میں بلکہ ملک کے پسماندہ علاقوں میں بھی قائم کیے گئے ہیں۔ مذکورہ طریقۂ تدریس آندھرا پردیش کے دور دراز کے قبائلی علاقوں میں بھی متعارف کرایا گیا ہے جہاں مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ قبائلی بچوں کی اکثریت اسکولوں سے دور رہتی تھی۔ ان کے لیے اسکولوں میں کوئی کشش نہیں تھی۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب پر مبنی درسی کتب کی جگہ تعلیمی کٹ (Educational Kit) کو متعارف کرایا گیا۔ یہ تجربہ پہلی بار آندھرا پردیش میں مشرقی گوداوری ضلع کے مقام رام پچوداورم پر کیا گیا۔ یہ کٹ چارٹ، کارڈ، کھلونے، ماڈل وغیرہ کے ذریعے زبان دانی، ریاضی اور ماحولیاتی مطالعے کی بنیادی معلومات فراہم کرتی ہے۔ مذکورہ کٹ اسی ریاست کے چتور ضلع میں قائم رشی ویلی اسکول کے ماہرینِ تعلیم نے تیار کی ہے۔ ان ماہرین نے قبائلی علاقوں میں درس و تدریس کی صورتِ حال سمجھنے کے لیے پہلے اس علاقے کا تحقیقی جائزہ لیا اور بچوں اور اسکول کے مابین دوری کی وجوہات جاننے کی کوشش کی۔ اس کے بعد کٹ تیار کی گئی۔ اس کٹ کو اس طرح سے تیار کیا گیا ہے کہ اس کی مدد سے ایک ہی کلاس کے طلبہ کی استعداد کی مختلف سطحوں کو پہچاننے میں سہولت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہر بچے کو اس کی فطری رفتار سے پڑھانا آسان ہو جاتا ہے۔

چتور ضلع میں ضلع پریشد کے تحت جاری بعض دیہی پرائمری اسکولوں میں بھی اس طرح کی کوشش کی گئی۔ ان اسکولوں میں اصل تعلیم تو ان درسی کتب کی مدد سے دی گئی جنھیں حکومت نے تیار کیا تھا البتہ اساتذہ اور طلبہ کے لحاظ سے پیچیدہ اور دشوار فہم تصورات کو عمل پر مبنی طریقوں سے سکھایا گیا، خواہ ان کا تعلق کسی بھی مضمون سے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ 'تکمیلی تدریس' (Complementary Teaching) ان پیچیدہ تصورات کو سمجھنے اور سمجھانے میں مفید ثابت ہوئی۔ ایسے تعلیمی وسائل میں کرناٹک کے ضلع میسور کا 'ایچ ڈی کوٹے' ماڈل قومی سطح پر مشہور ہے۔ اترپردیش، کیرالا اور پانڈیچری ریاستوں میں بھی دیہی اسکولوں میں مذکورہ طریقۂ تدریس اختیار کیا جا رہا ہے۔ ضروری ہے کہ اُردو میڈیم کے بعض چیدہ خانگی مدارس مذکورہ کٹ حاصل کرنے کی کوشش کریں اور تجرباتی سطح پر ہی سہی، مذکورہ طریقۂ تدریس کو اختیار کریں اور اس کے نتائج کا جائزہ لیں۔ ملک میں کسی بھی علاقے کے اردو اسکول اگر بچوں کی تعلیمی ترقی کے سلسلے میں کوئی تجربہ کرتے ہیں تو اس تجربے اور اس کے نتائج کی معلومات اردو رسائل و اخبارات کے ذریعے اردو دنیا کو ضرور دیں۔

پیاژے کا خیال ہے کہ بچے عمل کے ذریعے اپنے ماحول تک رسائی اور ماحول کے بارے میں معلومات آسانی سے اور تیز رفتاری سے حاصل کر سکتے ہیں۔ تحصیلِ علم دراصل ایک مسلسل خود تعمیری عمل ہے یعنی علم بچے کی خارجی دنیا میں موجود ہے جسے دریافت کرنا ہے۔ جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے وہ اپنے گرد و پیش کی دنیا سے باہمی تعامل کے ذریعے علم کو دریافت کرتا اور از سر نو تعمیر کرتا ہے۔

ایسے پرائمری تعلیم کے نظام کو یکسر بدلنے کی ضرورت ہے جو بچے کو محض خاموش سامع اور اس کے ذہن کو 'خالی سلیٹ' سمجھتا ہے۔ ہمیں ایسے اسکولوں کی ضرورت ہے جن کا تدریسی طرزِ فکر (Teaching approach) عمل پر مبنی ہو اور جو گھر کام اور امتحانات پر کم سے کم زور دیں۔ مگر اس طرح کے اسکولوں کے محض وجود میں آجانے سے مسئلہ حل نہیں ہو جائے گا تاوقتیکہ اساتذہ کے کردار میں تبدیلی نہیں آتی۔ استاد بچوں کے لیے ایسا مثالی رفیق ہوتا ہے جس کی وہ ہر سطح پر تقلید کرتے ہیں۔ استاد اب تک علم دینے اور معلومات فراہم کرنے والا (معلّم) تھا لیکن اب اسے تعلیمی فکر و عمل (Educational Ideas & Practice) کا دریافت کنندہ اور بچوں کو مختلف تخلیقی اور غیر روایتی طریقوں پر عمل کرنے کی ترغیب دینے والا بننا ہوگا۔ استاد کو اپنی تدریس میں لچکدار رویہ اپنانا ہوگا اور طفل مرکوز، اختراعی تدریسی طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔

آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اساتذہ کا انتخاب محض ان کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ استعداد کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ یہ دیکھا جائے کہ ان میں تخلیقی تکنیک کو استعمال کرنے کی کتنی اہلیت ہے۔ اساتذہ کا انتخاب کرنے کے بعد ان کی فوری تربیت کا انتظام کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں دورانِ ملازمت بھی ان کی تربیت کے لیے ریفریشر کورس، Re-Orientation Course اور ورکشاپ وغیرہ کا انعقاد ہوتا رہنا چاہیے تاکہ اساتذہ میں نئے حالات کے تحت

بچّوں کی ضروریات کو سمجھنے کا احساس پیدا ہو۔ یقیناً ان کوششوں کے بچّوں کی تعلیمی ترقی پر مثبت اثرات پڑیں گے۔

فرض کیجیے اساتذہ اپنے تدریسی کردار میں تبدیلی لاتے ہیں اور توقع کے مطابق مثبت تدریسی رویہ اختیار کرتے ہیں لیکن گھر کا ماحول بچّوں کے لیے معاون و محرک نہیں ہے تو استاد کے مثبت رویے کا بچّے کی ترقی پر کوئی خاص اثر نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ والدین کا تعلیمی عمل میں تعاون بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ دراصل والدین ہی بچّوں کے ساجیانے کے پہلے اور سب سے اہم عامل (Socializing Agent) ہیں۔ ساجیانے کے عمل کے ذریعے نفسی سماجی ماحول (Psychosocial Atmosphere) تخلیق پاتا ہے جو بچّے کی تعلیمی ترقی کی راہ کو آسان بنا دیتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسکول (اساتذہ) اور گھر (والدین) دونوں مل جل کر بچّوں کی ترقی کے لیے کام کریں۔ اس سلسلے میں تنظیم والدین و اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس لیے ہر اسکول میں مذکورہ تنظیم قائم کی جائے جو برائے نام نہ ہو بلکہ فعال ہو۔ اس تنظیم کے ذریعے اسکولوں کے بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں جیسا کہ ممبئی اور پونہ میں مذکورہ تنظیم کے ذریعے والدین میں تعلیمی بیداری کا زبردست کام انجام پا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اساتذہ کے لیے تربیتی پروگرام بھی منعقد کیے جاتے ہیں اور طویل تعطیلات (سرما اور گرما کی تعطیلات) کے دوران طلبہ کے لیے تربیتی کیمپ لگائے جاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ تنظیم فروغ تعلیم میں زبردست کردار ادا کر سکتی ہے۔

والدین کو بھی اپنے کردار میں انقلابی تبدیلی لانی ہوگی۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچّے کی تعلیمی ترقی کے بارے میں نہ صرف واقفیت حاصل کریں بلکہ بچّوں کی ہمت افزائی کریں اور ان کے جذبۂ تجسس کو ابھاریں۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ بچّوں کو اپنے ساتھ گھر سے باہر لے جائیں تاکہ بچّے فطرت کا مشاہدہ کریں۔ کبھی بچّوں کو کسی باغ میں تو کبھی چڑیا گھر لے جائیں۔ اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم ان کے ساتھ مل بیٹھیں اور بات چیت کریں۔ ان کے سوالوں کے جواب دیں۔ خود بھی ان سے سوال کریں اور انھیں جواب تلاش کرنے کی تحریک دیں۔ اس طرح بچّوں میں خود آموزی کا شوق پیدا ہوگا۔ اس سلسلے میں اسکول بھی والدین کی کئی طریقے سے مدد کر سکتا ہے۔ جیسے والدین، اساتذہ، طلبہ کی مشترکہ میٹنگیں منعقد کرنا، مختلف قسم کی تقریبات کا انعقاد کرنا مثلاً فینسی ڈریس شو، کھیل کود کے مقابلے، قومی تہواروں کی تقریبات وغیرہ۔ اگر والدین اپنی معروفیات کے سبب اس طرح کی تقریبات سے غیر حاضر رہیں تو اسکول انھیں آمادہ کرے کہ وہ اپنے بچّوں کی تعلیمی ترقی کی خاطر اپنے معروف شیڈول میں سے تھوڑا وقت نکالیں۔ اس طرح کی تقریبات کے ذریعے اسکول، بچّوں اور ان کے والدین کے درمیان اپنائیت، شفقت اور ذمے داری کا جذبہ پروان چڑھے گا۔

بچّوں کے ساتھ بات چیت کرنے، انھیں اپنے آپ پر انحصار کرنے کے قابل بنانے، ان کا دوست بننے جیسی مختلف قسم کی سرگرمیوں کے ذریعے بچّے کی تعلیمی ترقی میں معاونت ہوتی ہے۔ عموماً والدین بچّوں پر اپنی مرضی لادنے کی کوشش کرتے ہیں جو نفسیاتی لحاظ سے بالکل غلط ہے۔ اس عمر میں اگر بچّوں کو حکم دیا جائے کہ یہ کرو اور وہ مت کرو تو وہ چڑ جاتے ہیں، ان میں ضد پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ قصداً ہدایت کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ اس لیے والدین کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ بچّہ جو مثبت عمل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، اس کی تحسین کریں۔ والدین اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں کہ اگر بچّہ اپنے فطری میلان کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ اپنے مقصد میں آسانی کے ساتھ کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

بچّوں کی تعلیمی ترقی میں موجودہ طریقۂ امتحانات بلاشبہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ امتحان کا خوف منفی نوعیت کا ہوتا ہے جو بچّوں پر بُرا اثر ڈالتا ہے۔ والدین اور اساتذہ دونوں ہی امتحان کے اچھے نتائج اور اچھے رپورٹ کارڈ کو اہمیت دیتے ہیں اور اسی کو بچّے کی ذہانت اور عقلمندی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ خراب نتیجہ آنے پر تنبیہ کی جاتی ہے جس کی وجہ سے بچّے شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ بعض بچّے خودکشی جیسے مذموم فعل کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ اگر بچّے کا رزلٹ اچھا آتا ہے تو اسے انعام دیا جاتا ہے لیکن وہ انعام دراصل اس کے حاصل کردہ درجے (rank) کے لیے ہوتا ہے نہ کہ بچّے کے لیے۔ اس پس منظر میں امتحان کے نظریے میں تبدیلی لانا بہت ضروری ہے۔ امتحان کا نتیجہ بچّوں کے لیے نہ ہو کر اساتذہ کے لیے ہونا چاہیے یعنی نتائج کے ذریعے اساتذہ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسے کن بچّوں کو ابھی کیا اور کتنا پڑھانا ہے۔

بڑوں کی توقعات (کلاس میں پہلے نمبر سے کامیاب ہونا یا زیادہ سے زیادہ نمبرات حاصل کرنا) کو پورا نہ کر پانے کی صورت میں بچّہ منفی عادتوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ بچّہ یا تو تنہائی پسند (aloof) ہو جاتا ہے یا بہت زیادہ ضدی بن جاتا ہے اور حکم چلانے لگتا ہے۔ دونوں ہی صورتیں اس کی تعلیمی ترقی کے لیے ضرر رساں ہیں۔

امتحان اساس اندازِ فکر (Examination-oriented Approach) خود ہی اس بات کی علامت ہے کہ ہمارا نظامِ تعلیم رٹنے کے عمل پر زور دیتا ہے۔ کسی معلومات کو محض رٹ لینے سے علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور نہ ہی حاصل کردہ علم کو عملی زندگی میں استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے ایسے طریقۂ تدریس کو ترک کر دینا ہی بہتر

ہے جس میں بچے رٹ کر سیکھتے ہیں۔ یہ طریقہ نہ تو بچے کے لیے مسرت بخش ہوتا ہے اور نہ ہی پڑھائی میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ درس و تدریس کا مقصد محض امتحان میں کامیابی حاصل کرنا ہوتا ہے خواہ یہ کامیابی کسی بھی ذریعے سے حاصل ہو۔ یہ اندازِ فکر بچے میں فکری کج روی بھی پیدا کر سکتا ہے جس کا نتیجہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ امتحان کے خوف کی وجہ سے بچوں میں نفسی جسمانی عوارض (Psychosomatic disorders) پیدا ہو جاتے ہیں اور ان میں سیکھنے کی مسرت ختم ہو جاتی ہے۔ انھیں اسکول، اساتذہ اور والدین سے نفرت سی ہونے لگتی ہے جو ہمیشہ ایک ہی بات کہتے ہیں "کھیلو مت، پڑھائی کرو ورنہ فیل ہو جاؤ گے۔" غور کا مقام ہے کہ ایسے امتحانات کا کیا فائدہ جس سے بچے رٹو طوطا بن جائیں یا ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے؟

ملک کے جن اسکولوں نے عمل پر مبنی طریقۂ تدریس اختیار کیا ہے انھوں نے امتحان کا نظام بھی ترک کر دیا ہے۔ یہاں روزمرہ کی تدریس کے دوران اور عملی کاموں کے ذریعے بچوں کی جانچ کی جاتی ہے اور ان مشاہدات کی بنیاد پر بچوں کی حاصل کردہ صلاحیتوں کی پیمائش کر کے انھیں آگے ترقی دی جاتی ہے۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ جب اونچی کلاسوں میں امتحانات لیے جائیں گے تو بچوں کا کیا ردِ عمل ہوگا؟ اس سلسلے میں بعض اسکولوں میں جائزہ لیا گیا تو پتا چلا کہ چھٹی جماعت میں جب بچوں کو امتحان کی منزل سے گزرنا پڑا تو زیادہ تر بچے فیل ہو گئے۔ ان کی ناکامی کا سبب یہ نہیں تھا کہ ان کی معلومات کم تھی یا ان میں لکھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ انھیں دباؤ کے تحت کام کرنے اور ایک مقررہ مدت میں سوالوں کے جواب تحریر کرنے کی عادت نہیں تھی۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے جس پر ماہرینِ تعلیم، اساتذہ اور دیگر متعلقہ افراد غور و خوض کر رہے ہیں۔

ترقی نامہ (Progress Card) جسے رپورٹ کارڈ بھی کہا جاتا ہے، نئے انداز سے تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ طلبہ کی کارکردگی کے معیار کی جانچ، کلاس میں لی گئی آزمائشوں کی بنیاد پر کی جانی چاہیے۔ استاد بچے کا تفصیلی مشاہدہ کرے تاکہ وہ بچے کی شخصیت کو پوری طرح سمجھ سکے۔ رپورٹ کارڈ بچے کے لیے دوستانہ نوعیت کا ہونا چاہیے، بچے کو محسوس ہونا چاہیے کہ رپورٹ کارڈ اس کی اپنی کتاب ہے۔ اس کا آغاز اس صفحے سے ہونا چاہیے جس پر 'میرا صفحہ' لکھا ہو اور بچے کو آزادی ہو کہ وہ اس صفحے پر جو چاہے لکھے یا بنائے۔ اگلے صفحے پر بچے کی شخصیت کی خوبیوں کا تجزیاتی اندراج کیا جانا چاہیے مثلاً بچے میں تجزیہ کرنے، درجہ بندی کرنے، مشاہدہ کرنے وغیرہ صلاحیتوں کا اندراج۔

پرائمری اسکولوں کا دوسرا اہم مسئلہ بچوں کے بستے کا بوجھ کم کرنا ہے۔

نیشنل ایڈوائزری کمیٹی (1992-93) میں یشپال نے بستے کے بوجھ کو کم کرنے کی سفارش کی ہے۔ اس کے باوجود بستے کا بوجھ کم نہیں ہو رہا ہے۔ ایک سروے کے مطابق پبلک اسکول کے بچوں کے بستے کا وزن چار کلوگرام اور میونسپل اسکول کے بچوں کے بستے کا وزن ایک کلوگرام ہوتا ہے۔ دہلی کے بعض ترقی یافتہ اسکولوں میں اس مسئلے کا یہ حل نکالا گیا کہ بچے اپنی کتابیں اسکول ہی میں رکھ چھوڑتے ہیں۔ انھیں روایتی طرز کے گھر کام نہیں دیے جاتے بلکہ پروجیکٹ ورک کرنے، اخبار یا کتاب کے تراشوں کا مرقع (Scrapbook) تیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور ایسے تفویضات (Assignments) دیے جاتے ہیں جنھیں درسی کتابوں سے آنکھیں بند کر کے نقل کرنے کے بجائے غور و فکر کر کے پورا کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کلاس میں بچوں کو درسی کتابوں ہی کی مدد سے پڑھایا جاتا ہے لیکن تدریس کی تکمیل عملی مظاہروں (Demonstrations)، تجربوں اور سیاحتی مشاہدوں (Field Visits) کے ذریعے کی جاتی ہے۔ اس طرح تدریس کرنے سے بچے مختلف تصورات کو آسانی سے سمجھ لیتے ہیں اور انھیں رٹنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بچوں کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے اسے عملی زندگی میں برتنے اور اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مثلاً ریت کے ساحل پر کھیلتے ہوئے بچہ سیکھتا ہے کہ پانی کی وجہ سے ریت وزنی ہو جاتی ہے۔ اس علم کی وجہ سے کثافت اور حجم کے تصورات کو سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ اس طرح سیکھنے سے بچے کو اس بات کی مسرت ہوتی ہے کہ اس نے استاد کی جزوی مدد سے لیکن اپنے طور پر بہت ساری چیزوں کے بارے میں جان لیا ہے اشارات، بحث و مباحثہ، ماڈل اور زبانی توضیحات کے ذریعے استاد بچوں کی رہنمائی کرتا ہے جس کی بدولت بچے بنیادی ترقی (Proximal Development) کی راہ سے گزرتے ہیں اور اس طرح ان کی تعلیمی ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔

بچوں کو فطری رفتار سے سیکھنے کی آزادی ہونی چاہیے لیکن یہ آزادی محدود ہونی چاہیے یعنی یہ امر طے شدہ ہونا چاہیے کہ بچوں کو کیا، کتنا اور کتنی مدت میں سیکھنا ہے۔ ظاہر ہے کہ ذہین بچے صلاحیتوں کی مطلوبہ سطح جلد حاصل کر لیں گے اور کم ذہین بچوں کو زیادہ وقت درکار ہوگا۔ اگر حصولِ صلاحیت کی مدت کا تعین نہیں کیا جائے گا تو اندیشہ ہے کہ کم ذہین بچہ ایک ہی صلاحیت کے حصول میں سارا وقت صرف کر دے گا۔ اس لیے اب حصولِ تعلیم کے تصور میں دو نکتوں کو بطور خاص شامل کیا جانا چاہیے ۔۔۔ ایک تو یہ کہ ہر بچہ اپنا اکتسابی عمل ایک معینہ مدت میں پورا کرے۔ دوسرے یہ کہ درسی کتب کے ساتھ ساتھ عملی کٹ کا استعمال لازمی طور پر ہو تاکہ اساتذہ عمل پر

جن تدریسی عمل اختیار کریں۔

چوں کہ ہر بچے کی سیکھنے کی رفتار مختلف ہوتی ہے اس لیے استاد کو چاہیے کہ وہ بچوں کی رفتار کے لحاظ سے پڑھائی کی رفتار کا تعین کرے۔ اس کے لیے کلاس میں بچوں کی تعداد کا محدود ہونا ضروری ہے۔ بچوں کی مناسب تعلیمی ترقی کے لیے پرائمری سطح پر انفرادی توجہ لازمی ہے اس لیے کلاس میں 30 سے زائد بچے نہیں ہونے چاہئیں۔ تعداد کم ہونے کی صورت میں ڈسپلن کا مسئلہ بھی پیدا نہیں ہوگا۔ چونکہ تمام بچے عملی طور پر شریک درس ہوں گے اس لیے تدریسی عمل ان کے لیے مسرت بخش ہوگا اور وہ پوری طرح حصول علم کی جانب متوجہ رہیں گے۔ توجہ ایک عملی کوشش ہے جس میں توجہ دینے والے کی عملی دلچسپی اور غرض شامل ہوتی ہے۔ انسان عموماً ان چیزوں پر توجہ دیتا ہے جن میں اسے کوئی دلچسپی ہو۔ اس لیے بچوں میں دلچسپی کو بڑھانا اور قائم رکھنا استاد کا اولین فرض ہے۔ بچوں کی عدم توجہی کا ایک سبب استاد کا ہر وقت بچے کے قریب ٹہلنا اور اس کی ہمیشہ نگرانی کرنا بھی ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ پڑھائی کے دوران استاد تختۂ سیاہ کے قریب رہے۔ اگر کوئی سبق مشکل ہے اور اسے بغیر وضاحت کے پڑھایا جائے تو ایسی صورت میں بھی بچے بے توجہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بچوں کی بے توجہی کا ایک اہم سبب اسکول کا محل وقوع ہوتا ہے یعنی اسکول کا آبادی، شاہراہوں، بازار وغیرہ کے قریب ہونا ہے۔ اس کا تدارک بھی ہونا چاہیے۔

آج کل شہری علاقوں میں خاص طور پر پرائمری اسکولوں میں بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ عموماً کلاس میں 60 سے زائد بچے ہوتے ہیں۔ بعض کلاسوں میں تو یہ تعداد سو سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ ایسی صورت حال میں استاد کا سارا وقت بچوں کو خاموش کرانے میں صرف ہوتا ہے۔ ڈسپلن قائم کرنے کے لیے وہ بچوں کو ہر وقت ڈانٹتا ڈپٹتا اور مارتا پیٹتا رہتا ہے۔ بے دلی اور بیزاری کے ساتھ تھوڑا بہت پڑھاتا بھی ہے جس کا بچوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مارنے پیٹنے سے بچے ڈھیٹ بن جاتے ہیں جس کا ان کے کردار پر بُرا اثر پڑتا ہے اور وہ پڑھائی میں بھی دلچسپی نہیں لیتے۔ اس کا ایک ممکنہ حل یہ ہے کہ استاد ذہانت کی بنیاد پر بچوں کو مختلف گروپ میں تقسیم کردے اور ہر گروپ کو علاحدہ علاحدہ درس دے۔ جو گروپ زیادہ کمزور ہو اسے ہوشیار بچوں کے سپرد کردیا جائے۔ اس طرح ہوشیار بچوں کا اعادہ ہو جائے گا اور کمزور بچوں کو دوبارہ پڑھنے کا موقع ملے گا اور اس طرح ان کی تعلیمی ترقی کی راہ یقیناً آسان ہو جائے گی۔

حوالہ جات :

(1) Ruchi Behari, *Contemporary Issues in Primary School Education: A Psychological Perspective*, Indian Educational Review, Volume 36, January, 2000

(2) مسرت زمانی، تعلیمی نفسیات کے نئے زاویے۔

□□□

Special Officer for Urdu
M.S. Bureau of Text Books
Balbharati Senapati Bapat Marg,
Pune-411004

فرہنگِ آصفیہ، مولفہ: سید احمد دہلوی

یہ اردو زبان کا وہ مشہور اور مستند لغت ہے جو برسوں سے نایاب تھا۔ اس لغت میں عربی، فارسی، ترکی، ہندی سنسکرت اور انگریزی کے وہ تمام الفاظ شامل ہیں جو اردو زبان کا جز بن چکے ہیں۔ اس لغت کی کچھ اہم خصوصیات یہ ہیں۔

- عدالتی الفاظ
- بیگماتی محاورات
- اشارات وکنایات
- تاریخی واقعات
- مناسب حال ماڈے
- علم زبان کے رموز و نکات
- اردو صرف و نحو کے قاعدے
- ملک کی متداولہ رسمیں
- کل پیشہ وکل حرفہ کی ضروری اصطلاحات
- داخل روزمرہ ضرب الامثال
- قدیم وجدید تحقیقات کے اختلافات مع نظائر
- نظم ونثر میں لفظوں کے کثیر المعانی استعمال کی مثالیں اور وجہ تسمیہ
- تمام اولیا اور فقرائے ہند کے اسمائے گرامی مع حالات
- علمائے کرام کے نام اور مختصر سوانحی حالات

علاوہ ازیں دیگر امور کی تشریحات بھی اس لغت میں درج ہیں۔ چار جلدوں پر مشتمل یہ لغت 55 ہزار سے زائد الفاظ کا بے مثال ذخیرہ ہے۔ فوٹو آفسیٹ سے شائع کردہ اس فرہنگ میں اصلی ایڈیشن کی بعض غلطیوں کا ازالہ کردیا گیا ہے۔

سائز: 20x26/4، صفحات: ڈھائی ہزار سے زائد

قیمت: (مکمل تین جلدیں) 750 روپے

قومی اردو کونسل کے دفتر سے طلب کریں

فیروز بخت احمد

اُردو کی بجھتی شمعیں — بچّوں کے رسالے

بات بہت پرانی نہیں بلکہ ہمارے بچپن کی ہے کہ اُردو کے بے شمار جرائد ورسائل مارکیٹ میں دکھائی دیتے تھے۔ تقریباً ہر گلی محلے میں اردو کے رسائل اور کہانیوں کی کتابوں کی دوکانیں ہوا کرتی تھیں۔ اکنّی، دونّی، پانچ پیسے یادس پیسے روز بچوں کو یہ تمام چیزیں کرایے پر فراہم کرتی تھیں۔ حال ہی میں اردو کا ایک بہت پرانا اور مقبول ماہنامہ "شمع" بند ہو گیا۔ دلّی کے آصف علی روڈ سے نکلنے والا یہ رسالہ تمام دنیا میں خریدا اور پڑھا جاتا تھا۔ یہ ایک معیاری ادبی و فلمی رسالہ تھا جس میں اردو کے ہر دور کے ہر دلعزیز ادیبوں، شاعروں، ناول نگاروں کی نگارشات شائع کی جاتی تھیں۔

نہ صرف "شمع" بلکہ اس ادارے سے دیگر بہت سے رسائل و جرائد کی طباعت ہوا کرتی تھی جو یہ تھے: بچوں کا ماہنامہ "کھلونا"، خواتین کا ماہنامہ "بانو"، اردو ڈائجسٹ "شبستاں"، ماہنامہ "مجرم" اور ہندی کا "سشما"۔ یہی نہیں ادارہ "شمع" کا "کھلونا بک ڈپو" ایک ایسا شعبہ تھا جس نے اُردو کی تاریخ میں بچوں کے لیے بے تحاشہ دلچسپ اور بے شمار کہانیوں کی کتابیں چھاپی ہیں۔ ہندستان، پاکستان یا جہاں بھی اُردو پڑھی اور بولی جاتی ہے، کہیں سے بھی بچوں کا اتنے اعلیٰ معیار کا ادب شائع نہیں ہوا ہے۔ بچوں کی کہانیوں کی کتاب کیا ہوتی تھی ایسا لگتا تھا مانو موتی پرو دیے ہوں۔ ہمیں آج بھی یاد ہے کہ ہم نے بچپن میں "کھونا بک ڈپو" کی کہانی کی کتابیں پڑھی تھیں جیسے — مانو کے کارنامے، لنگڑی کتاب، ستاروں کے قیدی، خوفناک جزیرہ کالی دنیا، جادو کا دروازہ، بھوتوں کا خزانہ، گھسیٹا کی بھتنا شاہی وغیرہ۔ یہ تمام کتابیں اور ساتھ میں ماہنامہ "کھلونا" اردو کا بیش قیمتی خزانہ تھے۔ یوں تو پاکستان سے بھی اُردو کے رسائل و جرائد شائع ہوتے رہے ہیں، جیسے "نقوش"، "سیارہ ڈائجسٹ"، "نونہال"، (بچوں کا ماہنامہ) وغیرہ مگر کسی کا معیار بھی ادارۂ شمع جیسا نہیں ہو تا تھا۔ ماہنامہ "کھلونا" ایک ایسا رسالہ تھا جو ہر ماہ کی ٹھیک پہلی تاریخ کو اخبار والے گھروں میں علی الصبح ڈال دیتے تھے۔ بچوں کو اس کا اتنا بے صبری سے انتظار رہتا تھا کہ اخبار والے کے آنے سے پہلے ہی وہ دروازے پر پہرہ دینا شروع کر دیتے تھے کہ دیگر بہن بھائیوں سے پہلے وہ پڑھ لیں۔ اس رسالے میں وقت وقت پر مختلف نمبر بھی نکالے جاتے جیسے "تحفہ نمبر"، "ڈرامہ نمبر"، "بچوں کی کہانیاں نمبر" وغیرہ۔ اس کے مصوّر صدیقی صاحب، جگدیش پنچ، نسیم ضیاء وغیرہ اسے اس طرح سے سجا دیتے مانو ایک دلہن ہو۔ یہ کہنا درست ہو گا کہ اپنے وقت میں "کھلونا" جیسا بچوں کا دوسرا ماہنامہ ہندی و انگریزی زبان میں بھی نہ تھا۔

آج سے تقریباً ساٹھ سال قبل اردو کے یہ موتی بکھیرنے والے پرانی دلی کے علاقے رنگ محل، پھاٹک حبش خاں کے ایک مجاہد یوسف دہلوی مرحوم تھے جن کا نام نہ جانے کہاں گم ہو گیا۔ اُردو جرائد و کتب میں یوسف صاحب کے بعد اُن کے بیٹوں یونس دہلوی، ادریس دہلوی اور الیاس دہلوی نے یہ مورچہ سنبھالا۔ یہ الیاس دہلوی ہی تھے جنھوں نے بچوں کے ادب کو زندگی دی اور بچوں کی دنیا میں "آشی بھیا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ "کھلونا" کے بند ہونے کے ساتھ پوری دنیا کے ادیبوں کا جھرمٹ اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اب وہ لوگ بچوں کے لیے لکھنا چاہیں تو چھپیں گے کہاں؟ ماہنامہ "کھلونا" کی مطابقت کا اب کوئی بھی رسالہ اُردو ادب میں نہیں رہ گیا ہے۔ "کھلونا" کے بند ہونے کے بعد اُردو ادیبوں کی ایک کہکشاں غائب ہو گئی جس میں بہت سے نامور قلم کار تھے۔ عشرت رحمانی، احمد جمال پاشا، مناظر عاشق ہرگانوی، شوکت پردیسی، اظہار اثر، اظہر افسر، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، عصمت چغتائی، شفیع الدین نیّر، قیصر سرمست، عالم نقوی، ابرار محسن، سراج انور، علقمہ شبلی، ڈاکٹر کیول دھیر، غلام احمد، فرحت کاکوروی، انوار احمد صدیقی، رام لعل، راجہ مہدی علی خاں، ہاجرہ نازلی، نریش کمار شاد وغیرہ۔ یہ ایک سنہرا دور تھا — کم از کم اُن بچوں کے لیے جو اُردو رسائل پڑھنے کے شوقین تھے۔

ٹھیک اسی طرح سے "شمع" زمانۂ حال سے جڑا تھا۔ یہ اپنے معمول کے زور پر چلتا تھا۔ معمہ بھرنے کے لیے ٹوکن ضروری تھا۔ اب ٹوکن تو کیا "شمع" ہی بند ہو گیا۔ فلمی خبریں، ٹی وی کی خبریں، غیر ملکی افسانے، اچھی اچھی جاذب نظمیں، دینی و سماجی مسائل کے کالم، خطوط کا کالم، سوال و جواب کے کالم وغیرہ، سبھی چیزیں اس ماہنامے میں تھیں جو آج بہت سے مشہور انگریزی رسالوں اور یہاں تک کہ "انڈیا ٹوڈے" (India today) جیسے رسالے میں بھی نہیں ہوتی ہیں۔ اس کے مشہور قلم کاروں میں رتن سنگھ، رضیہ سجاد ظہیر، جیلانی بانو، قرۃ العین حیدر، ط۔ آفندی، کرامت علی غوری، رافعہ منظور الامین، ہرچرن چاولہ، ذکیہ مشہدی، نثار راہی، شکیل جاوید وغیرہ اب کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ ویسے آج کل اُردو کے کچھ رسالے جیسے

"بیسویں صدی"، "فلمی ستارے"، "محفل صنم"، "اردو دنیا"، "ایوان اردو"، وغیرہ مورچہ سنبھالے ہوئے ہیں مگر وہ بات نہیں ہے جو "شمع"، "بانو"، شبستاں" وغیرہ کی تھی۔ اب دہلوی برادران نے یہ رسالے بند کیے یا اردو والوں کی بے حسی کی وجہ سے یہ ہوا، یہ تو دوسری نوعیت کی بحث ہے مگر ہاں ادارہ "شمع" کی آج اردو دنیا سے غیر موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کو دیگر زبانیں گوارا ہیں مگر اردو نہیں۔

اسی طرح سے ماہنامہ "پیام تعلیم" (دہلی) "نانی" (لکھنؤ)، ماہنامہ "چندانگری" (مرادآباد)، ماہنامہ "جنت کے پھول" (رامپور)، "ماہنامہ "تشریر (ممبئی) وغیرہ سبھی بند ہو چکے ہیں یا بند ہونے کی پوزیشن میں ہیں۔ رامپور کے مکتبہ الحسنات کا ماہنامہ "نور" بھی اب کل ہند سطح پر نہیں فروخت ہو رہا ہے۔

یہ تمام رسائل بڑی کثیر تعداد میں چھپا اور بکا کرتے تھے۔ اس کے متعلق جناب ادریس دہلوی کا خیال ہے کہ ایک تو الیکٹرونک میڈیا نے پڑھنے والوں کو "دیکھنے والوں" میں تبدیل کر دیا ہے۔ سبھی چیزیں جب اسکرین پر دیکھنے کو بغیر ذہنی ورزش کیے حاصل ہو رہی ہیں تو پھر پڑھنے کی زحمت کون کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اردو والوں نے خود اردو کو نچلا درجہ دینا شروع کر دیا ہے۔ انگریزی، ہندی اور علاقائی، زبانوں کو اُردو پر فوقیت دینی شروع کر دی ہے۔ اُردو کے ساتھ یہ سوتیلا برتاؤ اس کی جڑوں کو ایسے وقت میں سکھا کر اجاڑ گیا جب اردو کو سیرابی کی ضرورت تھی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ بھی کسی وقت بچوں اور بڑوں کے لیے عمدہ طباعت والی کتابیں چھاپتا تھا مگر نہ جانے یکایک یہ سب ٹھہرا ہوا سا لگتا ہے۔ ماہنامہ "پیام تعلیم" کے سابق مدیر جناب حسین حسان ندوی کا ماننا ہے کہ اُردو کا فروغ اس لیے بھی کم ہوا کیوں کہ ایک رسالے کو بیس پچیس لوگوں نے پڑھا جب کہ اس کو خرید کر ہر شخص کو پڑھنا چاہیے۔ اُردو کے نامور کالم نگار جناب منظور عثمانی کا کہنا ہے کہ جوں جوں کتابوں کے انبار میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے پڑھنے والوں کا حلقہ سمٹتا جا رہا ہے۔ سیّد حامد سچ کہتے ہیں کہ بجائے کتابوں کے، کتابیں پڑھنے والے پیدا کیجیے۔

اسی طرح سے نہ جانے کتنے رسائل بند ہو چکے ہیں۔ ایک دور آج سے تقریباً نصف صدی کا وہ بھی تھا کہ جب ماہنامہ "ادبی دنیا" ماہنامہ "ساقی" اور ماہنامہ "ہمایوں" کی بڑی ساکھ تھی۔ اردو کے مشہور ادیب جوگندر پال ماضی کے دریچوں سے یاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ "ادبی دنیا" کے ہر شمارے کا انھیں بڑا انتظار رہتا تھا، نہ صرف اس لیے کہ اب کے کون لکھنے والے کیا لے کر آ رہے ہیں بلکہ اس لیے بھی کہ مولانا صلاح الدین احمد اُن کی تحقیقات پر کیا رائے رکھتے ہیں۔ ان کے زمانے میں بقول اُن کے، یونی ورسٹیوں میں پڑھنے والوں کی تربیت میں اداروں کا اتنا عمل دخل نہیں ہوتا تھا جتنا کہ ادبی رسالوں کا۔

آج کے اردو سماج کی بہت بڑی محرومی یہ بھی ہے کہ جہاں اردو لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد قلیل تر ہوتی جا رہی ہے وہاں ادبی رسائل کو وہی چند لوگ پڑھتے ہیں جو لکھنے والے بھی ہیں۔ اردو سے یہ بے رخی ایک افسوسناک بات ہے۔ ہمیں کیا پتا کہ ان رسائل کے بند ہونے سے ہم نے کیا کھو دیا ہے۔

A-202, Adiba Market & Apartments
Main Road, Zakir Nagar,
New Delhi - 110 025

"اردو دنیا" اور "فکر و تحقیق" کے سالانہ خریدار بنیں

"اردو دنیا" اردو کے حال اور مستقبل کا آئینہ ہے---خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیں سالانہ قیمت سو روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک
National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi
کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:
(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

ماضی کی علمی بازیافت اور حال کی علمی فتوحات سے واقفیت کے لیے **"فکر و تحقیق"** کا مطالعہ کریں۔ سالانہ قیمت 100 روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک
National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi
کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:
(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

معین الدین خاں

ہندستان میں صدر کا انتخابی عمل

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام ہندستانی جمہوریہ کے بارھویں صدر ہوں گے، یہ بات تو جون کے دوسرے ہفتے تک سب کو معلوم ہو گئی تھی، لیکن 15/ جولائی کے انتخاب کے حوالے سے دیکھنا صرف یہ تھا کہ وہ کتنے ووٹوں سے کامیاب ہوتے ہیں اور بائیں بازو کی امیدوار ڈاکٹر لکشمی سہگل کتنے ووٹ حاصل کرتی ہیں۔ حسب توقع عبدالکلام بھاری اکثریت سے جیت گئے اور آئندہ پانچ سالوں کے لیے صدر منتخب کر لیے گئے۔ ڈاکٹر عبدالکلام کو 4152 ووٹ ملے جن کی قدر الیکٹورل کالج کی بنیاد پر 9,22,884 ہے اور کیپٹن لکشمی سہگل کو 459 ووٹ ملے جن کی قدر 1,07,366 ہے۔ آخر یہ صدارتی انتخاب کیسے عمل میں آتا ہے؟ اس آسان سوال کا جواب دلچسپ بھی ہے اور ذرا طویل بھی۔

نئے صدر کا انتخاب، موجودہ صدر کی مدت کار کے دوران ہی کر لیا جاتا ہے۔ مرکزی الیکشن کمیشن موجودہ صدر کی معیاد ختم ہونے سے تقریباً 45 دن پہلے نئے صدر کے انتخاب کے لیے اعلانیہ (Notification) جاری کرتا ہے جس میں انتخاب کی اہم تاریخوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انتخابی عمل کو پورا کرنے کے لیے ایک الیکشن آفیسر بھی نامزد کرتا ہے۔ عموماً یہ آفیسر لوک سبھا یا پھر راجیہ سبھا کا سکریٹری جنرل ہوتا ہے۔ اس بار راجیہ سبھا کے سکریٹری جنرل نے یہ ذمے داری نبھائی۔

ہندستانی آئین سمیت 1952، 1977، اور 1997 میں پاس کیے گئے صدارتی انتخابی ایکٹ کے تحت صدارتی امیدوار کے لیے یہ اہلیتیں لازمی قرار دی گئی ہیں: وہ شخص جو ہندستان کا شہری ہو، 35 سال سے کم عمر کا نہ ہو، لوک سبھا یا راجیہ سبھا کا رُکن ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو، منافع کے کسی سرکاری عہدے پر نہ ہو، وغیرہ۔ 5/ جولائی کی ایک آئینی ترمیم کے بعد اب صدارتی امیدوار کو بطور ضمانت 15 ہزار روپے نقد یا بینک ڈرافٹ کی شکل میں پرچہ نامزدگی کے ساتھ جمع کرنا ہوں گے اور ایک امیدوار زیادہ سے زیادہ چار سیٹ کاغذات نامزدگی داخل کر سکتا ہے۔ ایک سیٹ پر صدارتی الیکٹورل بورڈ (Electoral Board) کے پچاس ممبران کے دستخط بطور تجویز کنندگان اور اتنی ہی تعداد میں تائید کرنے والے ممبران کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا مقصد دراصل غیر سنجیدہ امیدواروں کو انتخاب سے باہر رکھنا ہے۔ واضح رہے کہ 1967 اور 1969 میں بالترتیب 15 اور 17 امیدوار انتخاب میں حصہ لے رہے تھے اور عموماً ہر صدارتی انتخاب (1997 سے قبل) میں درجنوں امیدوار قسمت آزمائی سے زیادہ شہرت کے لیے پرچہ نامزدگی داخل کرتے رہے تھے۔ 1977 میں پہلی بار نیلم سنجیوا ریڈی بغیر مقابلے کے صدر منتخب کیے گئے۔ آئین کی رو سے صرف منتخب اراکین پارلیمان اور ریاستی اسمبلیوں کے اراکین صدر کے انتخاب میں ووٹ ڈالنے کا حق رکھتے ہیں جو آپس میں مل کر ایک حلقہ انتخاب کنندگان (Electoral College or Board) کی تشکیل کرتے ہیں۔ حلقہ انتخاب کنندگان کی تعداد 4896 ہے۔ اس میں 776 اراکین پارلیمان (543 لوک سبھا کے اور 233 راجیہ سبھا کے اراکین) اور تمام ریاستوں کے کل 4120 ممبران ریاستی اسمبلی (28 باقاعدہ ریاستوں سمیت 1992 کی آئینی ترمیم کے تحت دہلی اور پانڈیچری کی ریاستی اسمبلیاں بھی) شامل ہیں۔ آئین کی دفعہ 55 کے تحت صدارتی انتخاب میں مختلف ریاستوں کی نمائندگی کو یکساں بنانے کی

اے. پی. جے. عبدالکلام — سوانحی خاکہ

"اپنے بچوں کو خواب دیکھنے کی ترغیب دیجیے۔ بغیر خواب کے کوئی فکر پیدا نہیں ہوتی اور بغیر فکر کے کوئی عمل نہیں ہوتا۔"

— عبدالکلام، 10/ فروری 2001

عبدالکلام کی شخصیت نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ انسان بغیر خواب دیکھے ایک بامعنی زندگی گزارنے کا عمل نہیں ہو سکتا۔ جنوبی ہندستان کے شہر رامیشورم کے ایک معمولی ملاح گھرانے میں ہندستان کے گیارھویں صدر ابوالفاخر زین العابدین عبدالکلام کی ولادت 15/ اکتوبر 1931 کو ہوئی۔ عبدالکلام نے اسکولی تعلیم Schwartz Higher Secondary School سے مکمل کی۔ ان کے گھر کی مالی حالت خستہ تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ "1950 میں میں نے رامیشورم میں تھوڑا پیاز، چاول اور سیب فروخت کیے۔" گریجویشن کی تعلیم انھوں نے ترچی (Trichy) کے مشہور کالج سینٹ جوزف کالج سے مکمل کی۔ عبدالکلام اس معنی میں خوش قسمت رہے کہ انھیں اچھے احباب اور کرم فرما اساتذہ ملے۔

عبدالکلام اپنے خاندان میں پہلے گریجویٹ تھے۔ ان کے کسی بھائی تو اسکولی تعلیم بھی مکمل نہیں کر پائے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد 1962 میں سرکاری ادارے Indian Space Research Organisation (ISRO) میں انھیں ملازمت مل گئی۔ وہ جی جان لگا کر کام کرتے رہے اور اس بات کی پرواہ بھی نہ کی کہ انھیں اہم عہدہ سونپا گیا کہ نہیں۔

اب تک ہندستانی سیارچہ SLV-3 کا تجربہ ناکام رہا تھا مگر 18/ جولائی 1980 کو عبدالکلام نے کامیابی سے اس سیارچہ کو اپنی منزل مقصود پر پہنچایا۔ حکومت ہند نے 1981 میں انھیں "پدم بھوشن" کے اعزاز سے نوازا۔ جون 1992 میں 20 سال کی ISRO کی ملازمت کے بعد حیدر آباد میں واقع DRDL

بات کی گئی ہے۔ اس کام کے لیے ایک فارمولہ وضع کیا گیا ہے۔

ایک ممبر اسمبلی کے ووٹ کی قیمت کا تعین ریاست کی کل آبادی کو (مردم شماری کے مطابق) ریاستی اسمبلی کی کل سیٹوں اور 1000 سے تقسیم دے کر حاصل کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم آندھراپردیش کے ایک ممبر اسمبلی کے ووٹ کی قیمت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کل آبادی (1971 کی مردم شماری کے مطابق) 43502708 کو آندھرا کی ریاستی اسمبلی کے ممبران کی تعداد 294 اور 1000 سے تقسیم دے کر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح ایک ممبر کے ووٹ کی قیمت 148 ہوگی (43502708/294X1000=148) اس طرح سبھی ریاستی اسمبلیوں کے ارکان کے ووٹ کی قیمت کا تعین کیا جاتا ہے (دیکھیے اگلے صفحے کا چارٹ)۔

آئین میں اس بات کی بھی صراحت کی گئی ہے کہ سبھی ریاستی اسمبلیوں کے ارکان کے ووٹ کی قیمت، پارلیامان کے ارکان کے ووٹ کی قیمت کے تقریباً مساوی ہو۔ اس کام کے لیے بھی ایک فارمولہ وضع کیا گیا ہے۔ اس کے تحت ایک ممبر پارلیامان کے ووٹ کی قیمت کا تعین سبھی ریاستی ممبران اسمبلی کے ووٹوں کی قیمت کو کل ممبران پارلیامان سے تقسیم دے کر حاصل کیا جاتا ہے۔ ہندستان میں ریاستی اسمبلیوں کے ممبران کے ووٹوں کی قیمت 549474 ہے۔ اب اسے کل ممبران پارلیامان 776 سے تقسیم دے کر ایک ممبر پارلیامان کے ووٹ کی قیمت 708 بنتی ہے (549474/776=708)۔ کل ممبران پارلیامان کے ووٹوں کی قیمت (708X776)=549408 ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر ریاستی اسمبلیوں کے ووٹ کی قیمت (549474) اور ممبران پارلیامان کے ووٹ کی قیمت (549408) ملا کر 1098882 بنتی ہے۔

صدر کا انتخاب متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس کے تحت رائے دہندہ (ووٹر) واحد قابل انتقال رائے (Single Transferable Vote) کے ذریعے صدر کو منتخب کرتا ہے۔ یہاں رائے دہندہ امیدوار کے نام کے آگے اپنی ترجیح درج کرتا ہے اور جو امیدوار ایک معینہ کوٹے سے زیادہ ووٹ حاصل کر لیتا ہے، منتخب قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے ایک آسان طریقہ ہے۔ سب سے پہلے جائز ووٹوں (Valid Votes) کو دو سے تقسیم کرتے ہیں اور حاصل شدہ ووٹ میں ایک اور جوڑ دیتے ہیں۔ اب جو تعداد سامنے آئے گی، اس کو حاصل کرنے والا ہی منتخب قرار دیا جائے گا۔ مثلاً یہ فرض کر لیا جائے کہ کل جائز ووٹ 100 ہیں تو کامیاب امیدوار کے لیے 51 ووٹ حاصل کرنا لازمی ہوگا۔ (100/2+1=51) -

صدارتی بیلٹ پیپر میں امیدوار کا نام ہوتا ہے اور ووٹر کو اپنی ترجیح اعداد کی شکل میں (1، 2، 3، وغیرہ) ان کے نام کے آگے لکھنی ہوتی ہے۔ اس انتخاب کے لیے ووٹنگ پارلیامان کی عمارت سمیت سبھی ریاستی اسمبلیوں میں منعقد ہوتی ہے۔ پھر سبھی بیلٹ بکسوں کو دہلی میں یکجا کر کے ووٹ کی گنتی کی جاتی ہے اور کوٹے سے زیادہ ووٹ حاصل کر لینے پر صدر منتخب کر لیا جاتا ہے۔

ہندستان کے منتخب صدور

صدر کا نام	حاصل کیے گئے ووٹ (فی صد میں)
راجندر پرشاد (1952)	83.3
راجندر پرشاد (1957)	99.0
ایس. رادھاکرشنن (1962)	98.2
ذاکر حسین (1967)	56.2
وی. وی. گری (1969)	48.0
فخرالدین علی احمد (1974)	80.2
نیلم سنجیوا ریڈی (1977)	بلامقابلہ منتخب
گیانی ذیل سنگھ (1982)	72.7
آر. وینکٹ رمن (1987)	72.3
شنکر دیال شرما (1992)	65.9
کے. آر. نارائنن (1997)	95.0
ڈاکٹر عبدالکلام (200)	89.58

250, Jhelum Hostel, J N U, New Delhi

(Defence Research and Development Laboratory) میں میزائل پروگراموں سے وابستہ ہو گئے۔ راجیو گاندھی نے 1986-87 میں انھیں میزائل پروگرام کا انچارج بنا دیا۔ 22/ مئی 1989 کو اگنی میزائل کا کامیابی سے تجربہ کیا گیا۔ اس کے بعد ایک ایک کرکے پانچ میزائل بنائے گئے۔ اگنی کے علاوہ پرتھوی، ناگ، ترشول اور آکاش اس کی کڑیاں ہیں۔ 1990 میں انھیں پدم بھوشن دینے کا اعلان کیا گیا۔

1990 کے دہے میں عبدالکلام ہندستان کی مختلف تعلیمی، تحقیقی تجربہ گاہوں اور کل کارخانوں کے درمیان رابطہ کرکے ملک کو کئی شعبوں میں آگے بڑھانے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہے۔ ان کے ایک ساتھی آنند پارتھا سارتھی کا کہنا ہے کہ ہندستان کے میزائل پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں ان کے رول کو کچھ لوگ کم کرکے دیکھتے ہیں۔ میزائل پروگراموں کے ساتھ وہ ہندستان کے جوہری پروگراموں پر نظر رکھتے رہے۔ 11-12/ مئی 1998 کو جب ہندستان نے پوکھرن میں دوسری بار جوہری دھماکہ کیا تو اس کارنامے میں بھی وہ پیش پیش تھے۔ 1998 میں انھیں ہندستان کے سب سے اہم اعزاز بھارت رتن سے نوازا گیا۔ اس کے بعد وہ وزیر دفاع کے مشیر رہے اور 2001 سے اپنا بیشتر وقت ہندستان کی تعمیر نو کے لیے بچوں میں سائنس کی جوت جگانے لگے۔

ایسا نہیں کہ عبدالکلام کا سارا کام ملک و قوم کے دفاع اور سائنسی میدان میں آگے بڑھانے تک محدود ہے بلکہ BioMedical Technologies میں بھی ملک کو آگے بڑھانے کی بھی وہ کوششیں کرتے رہے ہیں۔

عبدالکلام کی اب تک تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی خود نوشت تحریر Wings of Fire شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد وائی ایس راجن کے ساتھ India 2020: Vision for New Millenium میں نئے ہندستان کا خواب دیکھا گیا ہے اور حال ہی میں Ignited Minds: Unleashing the Power Within India شائع ہوئی ہے۔

□□□

صدارتی الیکشن میں ممبر اسمبلی کے ووٹ کی قیمت

ایک ممبر اسمبلی کے ووٹ کی قیمت کا فارمولہ = ریاست کی کل آبادی / کل ممبران اسمبلی کی تعداد x 1000

نمبر شمار	ریاست	اسمبلی نشستوں کی تعداد	آبادی (1971)	ایک رکن کے ووٹ کی قیمت	ریاست کے کل منتخب ممبران کے ووٹوں کی قیمت
1	آندھرا پردیش	294	43,502,708	148	148x294=43,512
2	اروناچل پردیش	60	467,511	08	08x60=480
3	آسام	126	14,625,152	116	116x126=14,616
4	بہار	243	42,126,236	173	173x243=42,039
5	چھتیس گڑھ	90	11,637,494	129	129x90=11,610
6	گوا	40	795,120	20	20x40=800
7	گجرات	182	26,697,475	147	147x182=26,754
8	ہریانہ	90	10,036,808	112	112x90=10,080
9	ہماچل پردیش	68	3,460,434	51	51x68=3,468
10	جموں وکشمیر	87	6,300,000	72	72x87=6,264
11	جھارکھنڈ	81	14,227,133	176	176x81=14,256
12	کرناٹک	224	29,299,014	131	131x224=39,344
13	کیرل	140	21,347,375	152	152x140=21,280
14	مدھیہ پردیش	230	30,016,625	131	131x230=30,130
15	مہاراشٹر	288	50,412,235	175	175x288=50,400
16	منی پور	60	1,072,753	18	18x60=1,080
17	میگھالیہ	60	1,011,699	17	17x60=1,020
18	میزورم	40	332,390	8	8x40=320
19	ناگالینڈ	60	516,449	9	9x60=540
20	اڑیسہ	147	21,944,615	149	149x47=21,903
21	پنجاب	117	13,551,060	116	116x117=13,572
22	راجستھان	200	25,765,806	139	139x200=27,800
23	سکم	32	209,843	60	60x32=1920
24	تمل ناڈو	234	41,199,168	176	176x234=41,184
25	تری پورہ	60	1,556,342	26	26x60=1,560
26	اتر پردیش	403	83,849,905	208	208x403=83,824
27	اترانچل	70	4,419,239	64	64,70=4,480
28	مغربی بنگال	294	44,312,011	151	151x294=44,394
29	دہلی	70	40,65,698	58	58x70=4,060
30	پانڈیچری	30	471,707	16	16x30=480
میزان	ہندستان	4120	549302005		=549,474

بہ شکریہ۔ روزنامہ "راشٹریہ سہارا"، نئی دہلی

مانک ٹالا

خواجہ حسن نظامی اور "کرشن بیتی"

خواجہ سید حسن نظامی ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ سچے اور پکے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ، روشن خیالی اور مذہبی رواداری اُن کا ایک بہت بڑا خاصہ تھا۔ موصوف کا بچپن بہت عسرت میں گزرا تھا اس وجہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے تھے۔ تاہم جبلّی خوبیوں کے باعث انھوں نے اپنی قابلیت کا پھریرا چار دانگ عالم میں لہرا دیا تھا۔

اُردو میں موصوف نے کئی رسالے اور اخبار جاری کیے اور بہت سی کتابوں کا سرمایہ بھی چھوڑا۔ اخباروں میں اُن کا اخبار "منادی" بہت مشہور ہوا۔ اس میں اُن کے مخصوص انداز میں ان کا روزنامچہ شائع ہوتا تھا جسے لوگ بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ اُن کی زبان بہت سلیس اور بامحاورہ ہوتی تھی۔ اُس زمانے میں اُردو کو فارسی اور عربی کے غیر مانوس الفاظ سے بوجھل بنانے کا رواج تھا لیکن موصوف کی زبان اس قدر سادہ ہوتی تھی کہ ایک معمولی پڑھا لکھا شخص بھی اُسے سمجھ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اخبار اور کتابیں بہت مشہور و مقبول ہوئیں۔

اُن کی کتابوں میں ایک بہت ہی مقبول کتاب "کرشن بیتی" ہے۔ اس کا مقصد ہندو مسلم اتحاد کو بڑھاوا دینا تھا۔ دیگر قارئین کی طرح منشی پریم چند بھی یہ کتاب پڑھ کر اس سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ چنانچہ جس طرح خواجہ صاحب موصوف نے مسلم قاری کو ہندوؤں کے ایک مہاپرش سے متعارف کرایا تھا اسی طرح پریم چند نے بھی اپنے طریقے سے مسلمانوں کے ایک مہاپرش کو متعارف کرانے کی کوشش کی تھی۔ اس زمانے میں پریم چند (پوری طرح) آزادی کی لڑائی میں اپنے قلم سے تلوار کا کام لے رہے تھے اور انھوں نے ہندو مسلم اتحاد پر کئی کہانیاں اور مضامین لکھے تھے۔ پریم چند حضرت محمدؐ کے نواسے حضرت حسینؓ اور ان کے خاندان کے افراد کو کربلا کے میدان میں انتہائی بے رحمی سے شہید کر دیے جانے کے واقعے سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس تاریخی واقعے کی اہمیت کو ہندو قاری پر واضح کرنے کے لیے سب سے پہلے ماہنامہ "مادھوری" میں ایک مضمون رقم فرمایا جس کی بہت قدر ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے "کربلا" نامی ایک ناٹک ہندی میں گنگا پستک مالا کاریالیہ سے 1924 میں شائع کرایا۔ اس کی بھی بہت ناموری ہوئی۔ اُردو میں ماہنامہ "زمانہ" کانپور میں یہ قسط وار (جولائی 1926 سے اپریل 1928 تک) شائع ہونے کے بعد لاجپت رائے اینڈ سنس سے کتابی صورت میں شائع ہوا تھا۔ پریم چند نے یہ واضح کر دیا تھا کہ یہ "ڈرامہ" اسٹیج پر کھیلنے کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف قرات کے لیے ہے۔

بہر حال اب ہم "کرشن بیتی" کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ اس کتاب پر "زمانہ" کے اکتوبر 1971ء کے شمارے میں نوبت رائے نظر عرف نقاد لکھنوی کا ایک طویل تبصرہ شائع ہوا تھا۔ یہ تبصرہ آج کے پولیٹیکل حالات میں بھی اسی قدر اہمیت کا حامل ہے جس قدر اُس زمانے میں تھا۔ میں تو اسے پورے کا پورا نقل کرنا چاہتا تھا لیکن طوالت کے ڈر سے اس کے کچھ اہم حصے نقل کر رہا ہوں۔

خواجہ صاحب اپنے دیباچہ میں فرماتے ہیں—

"سری کرشن جی کے اوصاف علمی و عملی سے اگر مسلمانوں کی قوم باعتبار جماعت کے بے خبر ہے یا خبردار ہے تو اچھے خیالات اُن کی نسبت نہیں رکھتی۔ اس کا الزام خود ہندوؤں پر ہے جنھوں نے سری کرشن کو خود اپنے نفسانی جذبات کا پُتلا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ بلکہ انصاف کیا جائے تو سب ہندو بھی اس جرم کے مجرم نہیں ہیں۔ محبت بعض اوقات انسان کو گمراہ کر دیتی ہے۔ ہندوؤں کے چند افراد سری کرشن کی الفت میں حد سے بڑھ گئے اور اپنی شاعرانہ بلند پروازی اُن کی تعریف میں خرچ کرنے لگے....

"میری خواہش اس رسالے کی ترتیب سے یہی ہے کہ مسلمانوں کو سری کرشن جی کے اصلی حالات بتاؤں اور اُن کے پاکیزہ دماغوں کو ایک برگزیدہ آدمی کی نسبت بدگمان نہ رہنے دوں۔"

"خواجہ صاحب نے اس بدگمانی کو رفع کرتے ہوئے ہندوؤں کی نسبت اُن اعتراضات کو بھی رفع کیا ہے جو آج کل کے تعلیم یافتہ مسلمان اُن کی تمدنی حالت پر کیا کرتے ہیں اور اس طرح انھوں نے ایک مبسوط دیباچہ لکھا ہے جو امید ہے کہ ان کی قوم میں اثر پیدا کرے گا....

"... ہندو مذہب کی تحقیقات سے آپ کو عرصے سے دلچسپی ہے۔ خصوصاً سری کرشن جی اور ان کی مشہور عالم تلقین "بھگوت گیتا" کے مطالعے سے آپ جس نتیجے پر پہنچے ہیں اُس کو آپ نے نہایت صفائی سے اپنی قوم کے سامنے رکھ دیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس قسم کی کوششوں سے ہندو مسلمانوں کا وہ عالمگیر مسئلہ جو ایک عرصے سے ہندستان میں ایک خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے، بہت کچھ رفع ہو جائے گا۔ پچھلے دنوں ایک آریہ بزرگ نے

بھی اسی قسم کی کوشش کی تھی اور مسلمانوں کے سب سے آخری اور سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمدؐ کے حالات زندگی اور اُن کی تعلیمات سے ہندو قوم کو آگاہ کر کے ان غلط فہمیوں کو رفع کیا تھا جو ہندو قوم میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی طرح خواجہ صاحب نے جو مسلمانوں میں ایک ذی اثر پیشوائے قوم ہیں، ہندوؤں کے سب سے آخری اوتار سری کرشن کے حالات لکھ کر اپنی قوم کو ان غلط فہمیوں سے بچانے کی کوشش کی ہے جو مسلمانوں میں ہندوؤں کی نسبت پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر اس باہمی اتحاد و رواداری کو ترقی دی جائے تو بہت جلد وہ نتائج پیدا ہو سکتے ہیں جو تمام ملک کے لیے یکساں مفید ہیں اور جن کی عدم موجودگی سے ہندستان اصلی ترقی سے محروم ہے۔

"سری کرشن جی کے حالات زندگی مختلف روایات کی وجہ سے بہت ہی خلط ملط ہو گئے ہیں اور مختلف ہندو مصنفین نے اپنی اپنی عقیدت کے مطابق ان میں بے انتہا تصرف کیا ہے۔ نظر بریں ایک ایسے شخص کے لیے جوان کے صحیح حالات قلمبند کرنا چاہے جس قدر مشکلات لاحق ہو سکتی ہیں وہ محتاج تصریح نہیں۔ خصوصاً زمانہ حال کی سائنٹیفک تعلیم نے انسانوں کے دل و دماغ کو روحانی جذبات و عقیدت مندی سے بالکل خالی کر دیا ہے اور لوگ ہر بات کو واقفیت کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں... معلوم نہیں خواجہ حسن نظامی صاحب نے "کرشن بیتی" کی تدوین میں کس طبقے کی کتابوں کو اپنی تصنیف کا ماخذ قرار دیا ہے لیکن ان کی کتاب کے حرف حرف سے یہ ثابت ہے کہ وہ سری کرشن جی کی عظمت کے مقر ہیں اور ان کو ایک پیغمبر کا درجہ دینے میں مضائقہ نہیں سمجھتے۔ اوتار کی بحث میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

'اگر مسلمان اس کو سمجھنا چاہیں تو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت نوحؑ پیغمبر کے زمانے میں تمام دنیا کے باشندے سرکش اور منکرِ خدا تھے تو خدا نے حضرت نوحؑ کے ذریعے پہلے ان کو ہدایت کرائی اور جب وہ نہ مانے تو طوفان بھیج کر اُن کو غرق کر دیا۔ اس اعتبار سے گویا حضرت نوحؑ طوفانی اوتار تھے۔'

"اسی طرح حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کی مثالیں دے کر بتایا ہے کہ ہر زمانے میں جس قسم کی جہالت طاری ہوتی ہے اُسی قسم کے معجزوں کے ساتھ اوتار اور پیغمبر اُس کے ازالے کے لیے خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ اس میں اور ہندو عقائد میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ ہندو اپنے اوتاروں کو مظہر ذات الٰہی سمجھتے ہیں اور یہی اصل ہندو فلاسفی ہے۔ خدا کو وہ کوئی محدود ذات نہیں سمجھتے اور اس لیے وہ اُسے انسانی صفات کا پابند بھی نہیں خیال کرتے۔ اُس کی ہستی تمام مخلوق سے بالاتر ہے اور وہ تمام مخلوق کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ ہر حالت میں یہ مسلم ہے کہ اوتار دنیا میں کسی عالم گیر خرابی خصوصاً کفر کی تاریکی کو مٹانے کے لیے ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں اور جب یہ تاریکی حد سے بڑھ جائے گی تو ایک نہ ایک اوتار ضرور ظاہر ہوگا۔ اسے اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اوتار یا پیغمبر جو چاہے کہیے لیکن ایسے ظہور کی علت نمائی محض انسانوں کی اصلاح ہے۔ اس لیے ایسی مقدس ہستیوں کو دنیا کا مصلح، رفارمر، ہادی وغیرہ وغیرہ سب کچھ کہہ سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ہندو عقائد کی رُو سے ہر اوتار خواہ وہ انسانی ہی صورت و شکل میں کیوں ظہور پذیر نہ ہوا ہو، ایک مافوق الانسان ہستی ہے اور اُسے انسان محض کہنا سخت غلطی ہے۔

"خواجہ حسن نظامی نے "کرشن بیتی" میں سری کرشن جی کی زندگی کے تمام مشہور واقعات کو قلمبند کر کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس اختصار کے ساتھ تمام صحیح واقعات کا قلمبند کرنا بہت بڑی محنت اور تلاش اور تجسس کا کام ہے۔ انھوں نے کرشن جی کی پیدائش سے لے کر آخر تک کے تمام قابل الذکر واقعات قلمبند کیے ہیں۔ ساتھ ہی مہابھارت کے مختصر واقعات بھی لکھ دیے ہیں جن سے سری کرشن جی کو سب زیادہ تعلق رہا تھا۔ اس ضمن میں جتنے اعتراضات کرشن جی پر وارد کیے گئے ہیں سب کا جواب بھی انھوں نے کامیابی سے دیا ہے.... ہندو قوم میں یہ گھن مدت سے لگا ہوا ہے کہ اس کے مختلف فرقے ہو گئے ہیں اور ہر فرقے نے ایک مختلف طریقہ نکال لیا ہے۔ ان میں بعض بعض ایسے ہیں جو عام ہندو عقائد کی تردید و بیخ کنی میں غیر قوموں سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ یہ ایک مسلم امر ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں ہمیشہ ایسی مافوق الانسان ہستیوں کا وجود مانا گیا ہے جنھیں اوتار یا پیغمبر کہہ سکتے ہیں۔ اس زمانے کی سائنٹفک قومیں بھی اس کی قائل ہیں۔ لیکن ہندوؤں کا سماجک فرقہ اوتار کی ہستی کا قائل نہیں اور وہ اس کی تردید میں اصلی واقعات کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے....

"خواجہ حسن نظامی نے زیرِ ریویو (کتاب) میں ان باتوں کا شافی جواب دیا ہے اور ہندوؤں کی وکالت میں کام کیا ہے جو خود ہندوؤں میں اب تک نہ ہو سکا تھا۔ اس سلسلے میں ممدوح نے ہندوؤں کو بہت ہی بیش بہا نصیحتیں بھی کی ہیں جو حرزِ جاں بنانے کے قابل ہیں جو ان کی اس معرکتہ الآرا تصنیف میں موجود ہیں۔ ہندو قوم کی گذشتہ عظمت کے اظہار میں انھوں نے نہ صرف ایک فراخ دل مسلمان کی حیثیت سے بلکہ ایک وکیل ہندو قوم کی حیثیت سے معترضین کے منہ بند کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ہندو قوم کو یکساں شکر گزار ہونا چاہیے...."

□□□

E-10, Central Apartments, Pali Hill,
Union Part, Road No.1, Khar (W), Mumbai-400052

مشیر الحسن

پہلے باب سے اقتباس

جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندستان کی کہانی

مؤذن مرحبا بروقت بولا
تری آواز مکے اور مدینے

استاد ذوق اپنی غزل کے اس آخری شعر پر پہنچے تھے کہ برابر کی مسجد سے اذان کی آواز آئی، اللہ اکبر اللہ اکبر — اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اور اسی کے ساتھ ہی تمام شرکائے مجلس کے منہ سے نکلا تری آواز مکے اور مدینے۔ اذان ختم ہوئی تو سب نے دعا کو ہاتھ اٹھائے۔ دعا سے فارغ ہو کر مرزا فخرو نے کہا، صاحبو! کچھ عجیب اتفاق ہے فاتحہ خیر ہی سے یہ مشاعرہ شروع ہوا تھا اور اب فاتحہ خیر ہی پر ختم ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے دونوں شمعوں کو جو چکر کھا کر ان کے سامنے آئی تھیں، بجھا دیا۔ شمعوں کے گل ہوتے ہی نقیبوں نے آواز دی۔ "حضرات مشاعرہ ختم ہوا۔"

('دلی کی آخری شمع' از فرحت اللہ بیگ)

یہ رمضان المبارک کے مہینے کا سولھواں دن تھا اور گرمیوں کی ایک تپتی ہوئی سہ پہر۔ اٹھاون سالہ مرزا اسد اللہ خاں غالب، فتحپوری مسجد سے تھوڑی دور گلی قاسم جان میں اپنے گھر سے باہر نکلے۔ مگر اچانک ہی ان کے کانوں میں حب الوطنی کے گیتوں اور نعروں کی آواز پڑی اور وہ الٹے پاؤں واپس ہوئے۔ آوازیں بلی ماران سے نہیں بلکہ چاندنی چوک کی طرف سے آرہی تھیں۔ چاندنی چوک، دو رویہ درختوں والی ایک سڑک جو لاہوری دروازے سے لال قلعے کے محلات کی دیواروں تک جاتی تھی۔ مرزا نے چند نوجوانوں سے جو کسی مباحثے میں منہمک تھے، پوچھا کہ بھائی یہ شور اور یہ ہنگامہ کاہے کا ہے۔ جب کسی نے جواب نہیں دیا تو وہ یہ شعر بڑبڑاتے ہوئے اپنے گھر کو پلٹ گئے۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا؟

وہ شام ایک مختلف شام تھی۔ گرد و غبار کا طوفان بیٹھ چکا تھا، شاہجہاں آباد کے باسیوں کو کچھ راحت ملی تھی۔ گلی قاسم جان کا محلہ جہاں رمضان المبارک کے مہینے میں شام کے وقت عموماً خاموشی رہتی تھی، جاگ پڑا تھا۔ یہ شام ایک اور لحاظ سے بھی مختلف تھی۔ قریب کے محلوں سے نوجوان اور بوڑھے جمع ہو گئے تھے جیسے انھیں کسی انہونی کے ہونے کا انتظار تھا۔ کچھ لوگ بڑے فخریہ انداز سے میرٹھ کے واقعات بیان کر رہے تھے۔ بعض لوگ سراج الدین بہادر شاہ غازی کے ڈھلوائے ہوئے نقرئی سکے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں مل مل کر اپنی بے اعتباری کا اظہار کر رہے تھے۔ "یہ فتح و کامرانی کی علامت ہے۔" وہ بڑے جوش و خروش سے ایک دوسرے کو بتا رہے تھے، "اللہ کے کرم سے بغاوت سارے ہندستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ہے"۔ فیض بازار کا ایک تاجر، جس نے یہ سکہ ڈھالا تھا کہہ رہا تھا۔ یہ کیسے ؟ مگر کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ایک باریش بزرگ نے اضافہ کیا، "قسم امام حسین کی، اب انگریزی راج کا زوال قریب ہے۔" کوئی دخل اندازی کرتے ہوئے گویا ہوا، "اور صاحب، یہ گوری چمڑی والے ہمارے بادشاہ سلامت کی جگہ نہیں لے سکتے ہیں"۔ پاس سے گزرتی ہوئی ایک برقعہ پوش نے کہا، "ان انگریزوں کا کوئی دین ایمان نہیں ہے۔ ہائے ہائے، ہماری لکھنؤ کی بیگمات کو کم بختوں نے کتنا ستیاناس کیا!"

غالب کے پڑوسی نے جو ابھی تک خاموش رہے تھے، اچانک اپنے پاس سے ایک اردو رسالہ "رسالہ فتح اسلام" نکالا جس میں مسلمانوں کو ان کافروں کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ کسی نے جامع مسجد کی دیوار پر لگے ہوئے ایک اعلان کو پڑھنا شروع کر دیا۔ خیال یہ تھا کہ یہ اعلان شاہ ایران کی طرف سے ہے، اس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو ختم کر دیں اور "ابھی اعلان کی پوری عبارت پڑھی بھی نہیں گئی تھی کہ دو نوجوان لڑکوں نے اعلان کر دیا کہ فرنگی راج ختم ہو گیا۔

ہر اہم موقع، وہ چاہے جلوسِ شاہی کی مہرولی روانگی کا ہو یا رمضان کے بعد عید کے چاند کی رویت کا، لوگوں کو یہ سوچنے پر اکساتا تھا کہ وہ کیا ہونا چاہتے ہیں، وہ کن اقدار کو رائج کرنا چاہتے ہیں، کیا ترکہ اور کیا میراث چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اس وقت، بہر حال لڑکے کسی قدر قبل از وقت بول پڑے تھے۔ دہلی میں 1857 کی بغاوت ایک غبارے کی طرح پچک گئی۔ انگریزوں نے 8/ ستمبر کو قدسیہ باغ اور لڈلو کاسل پر قبضہ کر لیا۔ تین دن بعد انھوں نے کشمیری دروازے کی برج کو بموں سے اڑا دیا۔ "یہ انتہائی قابلِ تعریف کام ہوا ہے"، بنگال انجینیرز کے لفٹنٹ آرتھر موفات لینگ نے 12/ دسمبر کو اپنے

روزنامچے میں لکھا: "کسی قسم کی کوتاہی کی گنجائش نہیں ہے، ہم کامیابی سے قریب ہیں۔ محاصروں کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں، گولہ باری کے درمیان بہادری کے ساتھ، ....دیواروں پر چوبیس پاؤنڈ کے گولوں کے پھٹنے کی آوازوں کا کان میں آنا اور دیوار میں تباہ کن شگاف آتے دیکھنا اچھا لگتا ہے"۔ غالب کی حویلی پر حملہ چودہ تاریخ کو ہوا، اس دن انھوں نے لکھا:

"..........نامہ نگار کردار گزار رانہ دل در بر تپید و نہ پای از جای جنبید نرفتم و گفتم کہ چوں گنہگار نیستم بسر زنش سزاوار نیستم نہ انگلسیان بیگناہ کش و نہ آب و ہوای شہر ناخوش مرا چہ افتادہ کہ در اندیشہ ہای تباہ افتم وافتاں وخیزاں بر اوافتم در گوشہ بی توشہ باخامہ سیہ جامہ ہمز بانم و ہم از موہ شوراب بار و ہم از رگ خامہ خونابہ فشاں.........."

(غالب: دستنبو۔ مطبع مفید خلائق، آگرہ، صفحہ 28)

ترجمہ: "میرے دل پر نہ خوف و دہشت کا اثر ہوا اور نہ پائے استقلال کو جنبش ہوئی۔ میں نے کہا کہ میں گنہگار تو ہوں نہیں کہ سزا پاؤں۔ انگریز بے گناہوں کو قتل نہیں کرتے ہیں اور شہر کی آب و ہوا ناساز گار نہیں ہے، مجھے کیا پڑی ہے کہ ان بدخیالیوں کو دل میں جگہ دوں اور اِدھر اُدھر بھاگتا پھروں۔ (اب) مکان کے ایک گوشے میں بے سر و سامانی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں (اس تنہائی میں) قلم میرا رفیق ہے، آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور قلم سے دردناک الفاظ ٹپکتے ہیں......"

(ترجمہ: خواجہ احمد فاروقی)

بے دست و پا بہادر شاہ جانتے تھے کہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ وہ پریشان حال اور کمزور نظر آنے لگے، ان کے انداز سے ایک مجہول دل شکستگی عیاں تھی۔ دہلی میں موسم گرما کے بعد ایک خوشگوار موسم بہار آیا تھا مگر مغل حکمراں کے لیے نہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ، جن میں ان کے عیسائی ڈاکٹر چمن لال بھی شامل تھے، لال قلعہ چھوڑ کر حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کی طرف تسکینِ روحانی حاصل کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان کی چال میں ایک بے چینی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے آگے قدم بڑھانے کی انھیں نہ تو کوئی وجہ نظر آرہی تھی اور نہ ہی ان کے اندر اس کی کوئی خواہش تھی۔ سفر نے بہر حال انھیں نہ کوئی سکون فراہم کیا نہ کوئی راحت——پانسہ پھینکا جا چکا تھا۔ 20ر ستمبر کے اس منحوس دن، بے بسی اور بے کسی کی حالت میں بہادر شاہ ہمایوں کے مقبرے پر گرفتار کر لیے گئے۔ کوئین وکٹوریا کے نمائندوں نے ان کے سر سے تاج شاہی اتار لیا، شاہی خلعت بھی اتروا دی گئی۔ شرمناک انجام کی ابتدا ہو چکی تھی۔

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں
مرا رنگ روپ بگڑ گیا، مرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو خزاں سے باغ اجڑ گیا میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

(بہادر شاہ ظفر)

انگریز اور سکھ سپاہیوں نے لال قلعے میں، محل کو جو کبھی شاہجہاں کا گھر تھا، لوٹا اور تمام قیمتی سامان اٹھا لے گئے۔ 20ر دسمبر 1857 کو اسی منحوس دن جامع مسجد پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ فوج کے افسر اور جوان مسجد کے میناروں پر چڑھ گئے اور "سارے شہر کو، سارے ملک کو اس بلندی سے یوں دیکھا کہ جیسے قدموں میں پڑے ہوئے کسی نقشے کو دیکھا جاتا ہے۔ ساری دہلی ہماری تھی"۔ مسجد کے اندر انھوں نے رقص کیا، بیئر اور برانڈی پی، مسجد کے صحن میں آگ جلائی۔ اس سے زیادہ جشن کرنل Baird- Smith کے گھر پر منایا گیا، نصف شب کو بوتلیں کھلیں، آتش بازی چھوڑی گئی۔

اسی دوران، شہر کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار باسیوں کو ان کے گھروں سے نکال کر کھلے آسمان کے نیچے پہنچا دیا گیا۔ اس خانہ بدری کے بعد ہر شہری کو جو واپس آنے کا خواہشمند ہوتا، جرمانے کی ایک رقم ادا کرنا ہوتی تھی۔ مسلمانوں کو املاک کی قیمت کا پچیس فی صدی اور ہندوؤں کو دس فی صدی۔ ہزاروں افراد کو سرسری مقدمات کے بعد یا بغیر مقدمے کے ہی تہِ تیغ کر دیا گیا۔ سپاہیوں نے جو بھی سامنے آیا اسے گولی کا نشانہ بنایا۔ ممتاز ادیب میاں محمد امین پنجہ کش اور مولوی امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹوں کو گولی مار دی گئی۔ ان کی نعشوں کو دریائے جمنا میں پھینک دیا گیا۔ ایڈورڈ وبارٹ نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ غدر میں شریک سپاہیوں اور دوسرے باغیوں کو قتل کر کے بارہ بارہ کے گروہوں میں کوتوالی کے سامنے ایک چبوترے پر لٹکا دیا گیا۔

شہر دہلی کا ذرہ ذرۂ خاک
تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا

(غالب)

جولائی کے مہینے میں انجینئرنگ کور کے ایک افسر نے فردوس جیسے شہر پر رج (Ridge) کے اوپر سے نگاہ ڈالی۔ محل کی سرخ دیواریں، کوہ پیکر دروازے، شاندار جامع مسجد، اس کی لال دیواریں اور خوبصورت گنبد، اپنے سرسبز کناروں کے ساتھ جمنا "بحیثیت مجموعی ایک خوبصورت اور انتہائی

دلچسپ نظارہ"۔ اکتوبر کے مہینے کے آتے آتے لال قلعے اور جامع مسجد کے درمیان کی بہت سی عمارتوں کو چاندماری کا میدان فراہم کرنے کی خاطر ڈھا دیا گیا تھا۔ دیوانِ عام کو ہسپتال اور دیوانِ خاص کو جو شکوہ مغلیہ کی علامت تھا، افسروں کے کھانا کھانے کی جگہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ فتحپوری کی خوبصورت مسجد اور دریا گنج میں اورنگ زیب کی بیٹی کی بنوائی ہوئی حسین مسجد پر قبضہ کر لیا گیا تھا اور جامع مسجد جو انگریزوں کے قبضے میں تھی ڈھا ہی دی گئی ہوتی اگر وزیر اعظم Palmerston کو اپنی سی کر گزرنے کا موقع مل جاتا مگر شکر ہے کہ عقلِ سلیم حاوی آئی۔ مصلحتوں نے سمجھایا کہ اگر پندرہ سو ملین افراد پر مٹھی بھر انگریزوں کو حکومت کرنا ہے تو انھیں باہمی نفاق میں (جس میں وہ مذہب اور قومیت کے احساس کے معاملے میں پہلے ہی سے الگ الگ تھے) مبتلا رکھنا ہوگا اور ان کے دلوں پر برطانیہ کی ہیبت بٹھانا ہوگی۔ وائسرے لارڈ کیننگ نے وزیر اعظم کو دونوں قوموں کے مذہب کے خلاف کچھ کرنے کا مطالبہ نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اور مزید یہ کہا کہ "یہ دہلی کے لوگ اور خصوصاً گھر بار والے لوگ نہیں تھے جنھوں نے بغاوت کی یا باغیوں کی امداد کی۔" بغاوت کرنے والے تو وہ سپاہی تھے جو شہر میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کی املاک کو تہس نہس کیا۔ بغیر معاوضے کے انھیں تباہ کرنا سراسر مہمل اور وحشیانہ عمل ہوگا۔"

میرٹھ سے 11 مئی کو باغیوں کی آمد اور شہر پر انگریزوں کے چودہ ستمبر کے کامیاب حملے کے درمیانی عرصے میں غالب دلّی ہی میں رہے۔ انھوں نے دلّی کے قرب و جوار کے تین نوابوں کو پھانسی دیے جانے کے بارے میں بڑے کرب کے ساتھ لکھا۔ "(یہ لوگ) الگ الگ، اور الگ الگ دنوں میں لے جائے گئے اور درختوں پر لٹکا دیے گئے تاکہ کوئی یہ بھی نہ کہہ سکے، کہ ان کا خون بہایا گیا"۔ ان (غالب) کے بھائی کا گھر لوٹا گیا۔ انھیں خود بھی گرفتار کیا گیا اور بعد کو ان سے پوچھ گچھ ہوئی۔ "تمھارا نام؟" کرنل نے پوچھا۔ شاعر نے جواب دیا کہ وہ آدھا مسلمان ہے کیونکہ وہ شراب پیتا ہے مگر سور کا گوشت نہیں کھاتا ہے۔ انھیں دکھ تھا کہ دلّی ایک ایسا شہر ہو گیا تھا جہاں کوئی حاکم نہ تھا، ایک غلام بغیر آقا کے، ایک باغ بغیر مالی کے"۔

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

(غالب)

گلی قاسم جان سے کچھ ہی دور سے شیروانی میں ملبوس ایک شخص کی آواز آئی،

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

(میر تقی میر)

یہ ہنگامی واقعات دہلی میں لال پتھر کی عظیم عمارت قلعۂ معلی یا لال قلعے کے اندر یا اس کے اطراف میں ہوئے۔ ستمبر کے تیسرے ہفتے تک اس عظیم قلعے کے مکین بادشاہ اور ان کی بیگم زینت محل قیدی بنائے جا چکے تھے۔ ڈبلیو۔ ایس۔ آر۔ ہڈسن، شاہی خاندان کے اراکین مرزا مغل، ابو بکر اور خیر سلطان کو ہمایوں کے مقبرے میں لایا اور 21 اکتوبر کو دلّی دروازے پر گولی مار دی۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس نے خاندانِ تیموریہ (Tartars) کے اہم اور معزز اراکین کو ٹھکانے لگا دیا۔ "اس نے ان بد نصیب بے چاروں کی خاک کو روندنے کے اس موقعے کا بھی جشن منایا"۔ 27 جنوری اور 9 مارچ 1858 کے درمیان لال قلعے کے دیوانِ عام میں مقدمہ چلا، انھیں مجرم قرار دیا گیا، اکتوبر میں انھیں دیس نکالا دے کر رنگون بھیج کر قید کر دیا گیا۔ اس بن باس دیے جانے سے قبل انھوں نے اپنے دوستوں سے کہا، میں عندلیب گلشن ناآفریدہ ہوں"۔

اور اس طرح شاہی خاندان کو منظر سے کنارے کر دیا گیا۔ تھکے ہارے اور شکست خوردہ سپاہیوں کی یاس و ناامیدی کی جنگ کب کی ختم ہو چکی تھی۔ یہ ایک عہد کا خاتمہ اور ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ ناول نگار احمد علی نے اپنی کتاب (1940) Twilight in Delhi میں لکھا، "ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ کسی کو 'تاریخ' کے ایک جلوس کو تیزی سے گزرتے دیکھنے اور ساتھ ہی اس میں شامل ہونے کا موقع ملتا ہو"۔ تیرھویں صدی کے اوائل میں دارالسلطنت بننے کے بعد سے علوم و نظریات کو اپناتے اور تہذیب و تمدن کی دولت لٹاتے ہوئے، اپنے حکمرانوں اور باشندوں کی اپنی نسل و اصل پرستی کے باوجود۔ یہ یک وقت یک رنگ و وسیع المشرب دلّی بحیثیت مجموعی سارے ملک کی تجسیم رہی، اور عقائد و مسالک کی اُن بدروحوں اور واہموں سے آزاد رہی جو ماضی کے متعصب تاریخ دانوں کی مردہ روحوں کے آسیب میں گرفتار نئے ہندستان کے بعض مصنفین اور ناقدین پر مسلط رہتے ہیں۔

☆☆☆

نوّے برس گزرنے کے بعد، وسط اگست میں، ایک عہد زریں کے گزر جانے پر یا ایک سلسلۂ شاہی کے معدوم ہو جانے پر کسی نالہ و شیون کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ کسی ادیب یا شاعر کے شہر آشوب لکھنے کا بھی کوئی جواز نہیں

تھا۔ رات کے بارہ بجے ملک غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر آزاد ہو چکا تھا۔ مقدر سے ملاقات کے وعدے کا ایفاء جواہر لال کی فصیح و بلیغ تقریر سے شروع ہو گیا۔

"برسوں ہوئے"، انھوں نے کہا، "ہم نے اپنے مقدر سے ایک عہد کیا تھا، آج وہ وقت آگیا ہے جب ہمیں اپنا وہ عہد پورا کرنا ہوگا۔ مکمل طور پر ہی نہیں مستحکم طور پر بھی۔ نصف شب ہو گی کہ جب دنیا سوتی ہے، ہندستان آزادی اور زندگی کی فضا میں بیدار ہوگا۔ تاریخ انسانی کی ابھی صبح ہی تھی جب ہندستان نے کبھی نہ ختم ہونے والا سفر شروع کیا تھا۔ ایک وقت ایسا آتا ہے، اور تاریخ میں شاذ و نادر ہی آتا ہے جب ہم قدیم سے نکل کر جدید میں قدم رکھتے ہیں، جب ایک عہد ختم ہوتا ہے اور دوسرا شروع ہوتا ہے، اور صدیوں سے کچلی گئی ملک و قوم کی روح کو اظہار کا حق ملتا ہے، موقع ملتا ہے .... پچھلی بے نشان صدیاں ہماری جدوجہد کے نقوش اور اس کی ناکامیوں اور کامیابیوں کی پُر شکوہ علامتوں سے پُر ہیں......... اس سنجیدہ لمحے میں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہندستان اور اس کے عوام کی خدمت بلکہ اس سے بھی زیادہ ساری نوع انسانی کی فلاح کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینے کا عہد کریں۔ یہ کامرانی، کہ جس کا جشن ہم اس وقت منا رہے ہیں، عظیم کامیابیوں اور کامرانیوں کی طرف محض ایک قدم ہے اور اُن نئے امکانات کا محض آغاز جو ہمارے منتظر ہیں۔"

اس کی فکر نہ کیجیے کہ گھڑیال کے نصف شب کے اعلان پر جنگِ آزادی کے لاتعداد سپاہیوں کا مشن پورا ہوا یا نہیں، اہم بات یونین جیک کا اترنا تھا اور اطمینان کی بات یہ تھی کہ نہ صرف لال قلعہ پر کہ جہاں یہ 1857 میں لہرایا گیا تھا بلکہ ہندستان میں کہیں بھی اب یہ دوبارہ نہ لہرایا جائے گا۔ اب تو تین رنگ والے جھنڈے کی باری تھی آسمان میں لہرانے کی۔ یہ جھنڈا، ہندستان کے وزیر اعظم نے اعلان کیا، نہ صرف ہندستان کے لیے بلکہ ساری دنیا کے لیے آزادی اور جمہوریت کی علامت ہے۔

لال قلعہ کے اندر 1945 میں آزاد ہند فوج کے مقدمات ہوئے تھے۔ ان مقدمات کے سلسلے میں نہ جانے کتنے ماہرینِ قانون اور ممتاز وکلاء کی، جنگ آزادی کے ان سپاہیوں کے دفاع میں قلعے کے روی دروازے سے آمد و رفت رہی۔ ان ممتاز ماہرینِ قانون میں تیج بہادر سپرو، بھولا بھائی ڈیسائی، کیلاش ناتھ کاٹجو، پی کے سین، آصف علی، بخشی ٹیک چند، کنور دلیپ سنگھ اور جواہر لال نہرو جو وکیل کی حیثیت سے آخری بار سامنے آرہے تھے، شامل تھے۔ 15/ اگست کو ہندستان کی تاریخ کا یہ مرحلہ انجام کو پہنچا، سین ختم ہوا اور پردہ گر گیا۔

لوگوں کے ہجوم، وہ سب واپس لینے کے لیے کہ جو ان کا اپنا تھا، اور ایک نئے عہد کی صبح کے طلوع کا جشن منانے کے لیے لال قلعے کی طرف لپکے۔ شدتِ جذبات سے گلے میں اٹکتی ہوئی آواز جب مجمع کے کانوں میں پڑی تو ساری فضا ان کی پُرجوش تالیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ اپنے اسکول کے یونیفارم میں ملبوس نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے ایک آواز ہو کر نعرہ لگایا، "چاچا نہرو زندہ باد، زندہ باد" آتش بازی کے گولوں کی آواز اوکھلا جیسی دور دراز بستیوں تک میں سنی گئی کہ جہاں خود جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اسی طرح کی ایک تقریب منائی جا رہی تھی۔ وہاں امیر جامعہ نے جب افلاس کے مارے ادارے کے لیے روشن امکانات کا مژدہ سنایا تو استادوں اور طالبِ علموں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

جھنڈا، قومی ترانہ اور قومی نشان وہ تین علامتیں ہیں جن کے ذریعے ایک آزاد و خود مختار ملک اپنے تشخص، اپنی پہچان اور اپنے اقتدار مطلق کا اظہار و اعلان کرتا ہے۔ اور اسی لیے یہ تینوں بلا استثنیٰ ہر ایک سے، ایراد و اشتباہ سے مبرا احترام اور وفاداری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ تینوں خود اپنی ذات سے، ملک کے افکار و خیالات، تہذیب و تمدن اور سارا پس منظر منعکس کرتے ہیں۔ جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب "تلاشِ ہند" میں لکھا ہے کہ تہذیب و تمدن کے آغاز سے ہی ہندستان کے ذہن پر اتحاد و یکجہتی کے خواب کا ایک پرتو رہا ہے۔ اُس وقت استعماری غلامی سے آزادی، اس خواب کی تکمیل کی طرف پہلا اہم قدم تھا۔

ایک برطانوی سول سرونٹ آئرش پورٹل نے (Irish Portal) چوتھی دہائی کے اوائل کے جذبات کی عکاسی علی الاعلان یہ کہہ کر کی "تمھیں لوگوں سے ان کی زمین کبھی نہیں چھیننی چاہیے۔ عوام کے لیے زمین کچھ عجیب اسرار رکھتی ہے۔ آپ جا کر تھوڑی بہت چیزوں کا حکم دے سکتے ہیں، کچھ نئے نظریات و خیالات متعارف کرا سکتے ہیں، ایک اجنبی قوم سے، ان کے لیے بالکل نامانوس رویّوں کو جبراً قبول کرانا بھی شاید ممکن ہو" مگر پھر اس نے کہا، "مگر ان سب چیزوں کو چھوڑ کر Cheltenham میں جا کر آخری سانس لینی چاہیے"۔

(مترجم: مسعود الحق)

مصنف کا پتا:

139, Uttarakhand, J.N.U.
New Delhi - 110 067

رتن ناتھ سرشار

(فسانۂ آزاد جلد اوّل سے اقتباس)

مکتب خانہ

میاں آزاد مکتب خانے کی حالتِ سقیم اور مولوی صاحب کی طرزِ تعلیم اور لونڈوں کی چوں پوں (دیکھ سن کر) ایسے طیش میں آئے کہ اگر پاتے تو مولوی صاحب کو کچا ہی کھا جاتے۔ سرا میں جاتے ہی حضرت نے مکتب خانے کی تصویر کھینچی اور پھر اس کا خوب خاکہ اڑایا"۔

اشتہار

گر ہمیں مکتب ست و ایں ملا
کار طفلان تمام خواہد شد

یہ مکتب خانہ ہے یا وحشت کی منڈی۔ جدھر دیکھو بوکھلاہٹ کے ڈھیر، حماقت کے تودے، جہل کی کھانچیاں بھری ہوئی ہیں۔ چل پوں، غل غپاڑا، دھول دھپا، شور و غوغا، معلوم ہوتا ہے بھری برسات میں جغادری مینڈک غاؤں غاؤں، یا سحر کاذب کے وقت کوے کاؤں کاؤں کر رہے ہیں۔ مولوی صاحب کی غرفش طرزِ تعلیم، واہ جی واہ۔ لہٰذا بندۂ درگاہ نے یہ چند سطور تنبیہ غافلین اور قدردانی کاملین کے لیے تر سے لکھ ڈالیں کہ ثانی الحال سند بناشد، و عند الحاجت بکار نیاید۔

1- نور کے تڑکے سے جھٹپٹے وقت تک لڑکوں کو مکتب خانے میں قید رکھنا انجناب کے پسند نہیں۔ دس بجے آئیں، چار بجے رخصت پائیں، چلیے چھٹی ہوئی۔ یہ نہیں کہ دن بھر دانتا کلکل، کہ پڑھنا بھی اجیرن ہو جائے۔ اور خواہ مخواہ یہی فکر دامن گیر ہو کہ درس تدریس کی دُم میں موٹا سا رستا باندھیں اور دل کھول کر گل چھرّے اڑائیں۔ مولوی صاحب کو ہوا بتائیں۔ مدرسہ چھوڑیں۔ پڑھنے لکھنے کی گردن مروڑیں۔

2- میاں! اس بھونڈی روش کو چھوڑو اور اس بھدے قاعدے سے منہ موڑو، کہ جتنے لڑکے ہیں سب کا سبق مختلف۔ دشمنوں کی آنکھوں میں خار۔ خیر سے تیس چالیس طلبہ ہیں۔ دو دو، چار چار، دس دس کی ایک ایک جماعت کیجیے تو کیا گناہ ہے۔ محنت کی محنت بچے۔ کام کا کام زیادہ ہو۔ اور فائدہ کھانے میں۔

3- جدھر نظر ڈالتا ہوں انشا کی تعلیم ہو رہی ہے۔ کوئی انشائے خلیفہ بغل میں دبائے ہیں۔ کوئی انشائے فیض رساں کھولے بیٹھا ہے۔ کوئی انشائے دلکشا کا سبق پڑھ رہا ہے۔ یا دیوانوں کی بھرمار ہے۔ کہیں دیوان عرفی، کہیں دیوانِ بہار ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔ میاں صاحب اتنا تو سوچیے کہ تعلیم میں صرف علم ادب ہی شامل نہیں۔ ریاضی میں ریاض کیجیے، جبر و مقابلہ اور اقلیدس کا سبق دیجیے۔ کسی گھنٹے میں علم تاریخ لیجیے۔ وقس علیٰ ہذا۔ یہ نہیں کہ گلستان ماقیمان عطائی نامہ انشاء خرد افروز ہی پر لٹو ہیں۔ واہ رے تعلیم مگر پڑھائے کون؟ مولانا صاحب کو تو سو تک کی گنتی بھی نہیں آتی، اقلیدس کی صورت ہی نہیں دیکھی۔

4- سب لڑکوں کا غل مچا مچا کر آواز لگانا، لچر بات۔ محض فضول بالکل خرافات ہے۔ کوئی خوانچہ والا، گنڈیری والا، چنے پر مل والا، اس طرح چلائے تو مضائقہ ندارد۔ مٹر دٹر گول گپے، مصالح کے بیگن، مولی، تورئی لو ترکاری کو، یہ تو پھیری دینے والوں کی صدا ہے۔ پس مکتب کو منڈی بنانا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ بھئی واللہ کیا تماشہ ہے۔ یہ چل پوں، ادب آداب کے خلاف ہے۔ ہاں کسی وقت بآواز بھی پڑھے تو خیر۔

5- ترجمے پر خدا کی مار، شیطان کی پھٹکار، جاتا ہوں بیچ ایک باغ کے واسطے لانے اچھی چیزوں کے۔ لاحول ولا۔ لاحول ولا۔ میں نے دیکھا، میں نے تو جاتا ہے۔ تو۔ اے واہ کیا تو تو میں میں ہے۔ چھری گردن پر مولانا! واسطے خدا کے، ذرا ترجمہ تو فصیح بتایا کرو، ورنہ لڑکوں کا روزمرہ صاف ہو چکا۔ ترجمے میں اردو پن تو پایا جائے، یہ تو نہ کوئی آوازہ کسے کہ پشتو میں بھیک مانگ رہے ہیں۔ فقرے چست ہوں، لفظ درست ہوں، محاورات دل نشین سیکھیں آدمی بنیں۔ یہ نہیں کہ اُول جلول ترجمہ کر کے زبان ہی خراب ہو جائے۔

6- پڑھتے وقت لڑکوں کا ہلنا عیب ہے! مگر کہیں کس سے؟ مولوی صاحب تو خود جھومنے لگتے ہیں : وزیرے چنیں شہریار چناں۔"

7- یہ ناک سے غن غنانا چہ معنی دارد۔ مدک خانہ ہے یا مکتب خانہ۔ معقول۔ جس لڑکے کو دیکھو ناک سے تلفظ کر رہا ہے۔

8- مطلب مطلب متن پڑھو، اینڈا بینڈا ترجمہ کرو، مگر سمجھ خاک نہیں۔ سمجھے اور پتھر کے ہوئے۔ مولانا ذرا دل میں سوچیے تو کہ جب طالبِ علم مطلب ہی نہ سمجھے گا تو اس کو فائدہ کیا خاک ہوگا۔ پڑھاؤ چاہے کم، مگر مطلب زیادہ بتاؤ، املا روز لکھاؤ، بچے ضرور پوچھو۔

● فسانۂ آزاد کلاسیکی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ فنی اعتبار سے یہ داستان اور ناول کے درمیان کی صنف ہے۔ فسانۂ آزاد نہ صرف زبان و بیان اور معاشرے کی عکاسی کی وجہ سے بلکہ اپنے دلچسپ کرداروں کے اعتبار سے بھی پرکشش ہے۔ فسانۂ آزاد کا دوسرا ایڈیشن زیرِ طبع ہے۔

9۔ سبق کو برزبان رٹانا بھی حمق کی نشانی ہے۔ کتاب بند کی اور فرفردس صفحے برزبان سنادیے۔ خیر حافظ ہی نے قوت پائی سہی۔ مگر ستم یہ ہے کہ پھر طوطے کی طرح حق اللہ، پاک ذات اللہ کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا۔ مطلب پر نظر ہی نہیں ڈالتے۔ مدعا سے سروکار ہی نہیں رکھتے۔ اور طرہ یہ کہ اگر پوچھ بیٹھے کہ فلاں شعر کہاں ہے؟ تو لگیں بغلیں جھانکنے اور منھ تاکنے۔ مولوی صاحب نے ایک سطر بتادی۔ وہ لڑکے نے تھوڑی دیر میں نوک زبان کرلی۔ اب اگر پوچھے کہ لفظ (گفتم) کہاں ہے، تو ان کی بلا جانے۔ انھوں نے کل فقرہ یاد کرلیا مگر حرف آشنا نہیں۔ اے لاحول اے لاحول۔

10- اردو سے فارسی، اور فارسی سے اردو میں ترجمے روز لکھنا چاہیے۔ ورنہ پھر یہی ہوتا ہے کہ مولانا بالعلم والفضل اولنا، بن گئے لیکن ایک سطر نہیں لکھ سکتے۔

11- کم استعداد طلبہ کو اکثر کتبِ اَدَق پڑھائی جاتی ہیں۔ ماشاءاللہ کیا تعلیم ہے۔ ذری سے ٹٹو پر جب دو ہاتھیوں کا بوجھ لاد وگے، تو ٹٹو بے چارہ آنکھیں مانگنے لگے گا یا نہیں۔ معصوم بچہ اور پڑھے سکندر نامہ، واہ ری عقل چار۔ آتشیں کا تلفظ اس کے پیر سے بھی نہ ہو سکے۔ بھلا مناجات کا مطلب وہ کیا سمجھے۔ جشنِ نوشابہ میں اسے کیا لطف اٹھے۔

12- لڑکے کو ابتدا ہی سے فارسی پڑھانا، اس کا ذہن کند کرنا ہے۔ پہلے اردو پڑھایئے، جب اس میں عبور ہو تو بسم اللہ فارسی سہی، مگر ابتدا ہی سے کریما مقیماں پڑھانا اس کی مٹی پلید کرتا ہے۔ ابتدا میں فارسی کی ایسی کتابیں پڑھانی چاہئیں جو سہل ہوں، جن میں عمدہ محاورات ہوں، لفظ ادق نہ ہوں۔

13- مولوی صاحب لڑکوں سے حقہ بھروانا، حقہ تازہ کرانا چھوڑ دیں۔ اس کے عوض ان کو نشست برخاست کے قاعدے، ادب اور تہذیب سکھائیں۔

14- افیونی مولوی چھپر پر رکھے جائیں۔ مولوی نے افیون کھائی، اور لڑکوں کی شامت آئی۔ وہ پینک میں جھوما کریں گے، لڑکے اِدھر اُدھر گھوما کریں گے : کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہے"۔

یہ اشتہار جلی قلم سے لکھ کر میاں آزاد راتوں رات مکتب کے دروازے پر چپکا آئے اور جھٹ سے نقل کر کے شہر کے تین چار مشہور مقامات پر بھی چپکا دیا۔ اور سرا میں لمبی تان کر سو رہے۔

میاں آزاد پھر آپ جانیے ایک دل لگی باز آدمی، مکتب خانہ کا خاکہ اڑا کر جابجا مولوی صاحب کا اعمال نامہ چپکا کر چمپت ہوئے۔ دوسرے روز گاؤں والوں کو شگوفہ ہاتھ آیا۔ ہر اشتہار کے پاس ٹھٹ جمع۔ غٹ کے غٹ پلے پڑتے ہیں۔ جسے دیکھو قہقہہ اڑاتا ہے۔ لوٹن کبوتر ہوا جاتا ہے۔ بھئی واللہ کسی بڑے ہی فقرے باز کا کام ہے۔ اچھی اچھی پھبتیاں کہیں۔ خوب آوازے کسے، اور مولوی بے چارے کو تو لے ہی ڈالا۔ اس کو پیڑا ہی کردیا۔ کیا گرما گرم فقرے ہیں۔ مکتب خانے میں لڑکوں کے چہرے گلنار ہو گئے۔ باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ بات تری کی۔ روز چڑا گلچھرے اُڑاتے، بھپتیں لگاتے تھے۔ افیون گھولی اور سر پر شیخ سدو سوار، دو ہتھڑ پیٹنا شروع کیا۔ کسی کے کان گرمائے، کسی کے سر پر دھپ لگائی۔ جو بولا اس کی شامت آئی۔ خوب ملا مکتبا اڑائیں۔ اب آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا۔ مولوی صاحب تشریف کا بقچہ لائے تو دیکھتے کیا ہیں کہ : "کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے" لڑکے کہنا نہیں مانتے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کتاب کھولو۔ شاگرد جواب دیتے ہیں۔ بس منہ بند کرو۔ فرمایا دور ہو، یہاں سے اٹھ جا۔ جواب پایا کہ چپ چاپ بیٹھا رہ۔ فرمایا کہ اب بولا تو ہم بگڑ جائیں گے۔ شاگردوں نے کہا ہم خوب بنائیں گے۔ تب تو جھلائے اور ڈپٹ کر فرمایا کہ میں بڑا گرم مزاج ہوں۔ ایک زبان دراز نے مسکرا کر کہا پھر ہم ٹھنڈا بنائیں گے۔ دوسرا بولا، قبلہ اگر آپ گرم مزاج ہیں تو برفستان میں بستر جمایئے، تیسرے حاضر جواب نے کہا: گرم مزاجی تو بخیر، مگر دماغ پر البتہ گرمی چڑھ گئی ہے۔ باہر کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ جوق جوق تماشائی بازاری سفید پوش، گنوار کھڑے قہقہے اُڑا رہے ہیں۔ باہر گئے تو اشتہار نظر آیا۔ پڑھا تو عرق عرق ہو گئے۔ دل ہی دل میں راقم اشتہار کو گالیاں دینے لگے۔ پاؤں تو کچا ہی کھا جاؤں۔ اتنے ڈنڈے لگاؤں کہ بچہ جی چھٹی کا دودھ یاد کریں۔ مردود نے کیسا خاکہ اُڑایا ہے اور کچا چٹھا لکھ مارا۔ یہ جب ہی لڑکے ڈھیٹ ہو گئے۔ میں کہتا ہوں آم، وہ کہتے ہیں املی۔ اب عزت ڈوبی، جان ہی پر بن آئی۔ مکتب خانے میں قہر درویش برجانِ درویش کہہ کر دھنس پڑوں تو خوف ہے کہ مبادا لونڈے روز کی کسر نکالیں اور انجر پنجر ڈھیلے کردیں۔ بھاگ جاؤں تو روٹیوں کے لالے پڑیں۔ کھاؤں کیا انگارے۔ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن۔ سنگ آمد و سخت آمد۔

الغرض ٹھان لی کہ بوریا بدھنا چھوڑو، ملاگیری سے منہ موڑو، چلتا دھندا کرو۔ بھاگے تو گھر پر دم لیا۔ لڑکوں نے جو دیکھا کہ مولوی صاحب پتا توڑ بھاگے جاتے ہیں تو جوتیاں بغل میں دبا، پائچے چڑھا، تختیاں اور بستے دبا، دواتیں سنبھال، دُم کے پیچھے چلے۔ فوج طفلاں مفت، یارانِ سَر پُل باہم کیا چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔

ایک: ارے میاں یہ بھاگا کون جاتا ہے بگٹٹ۔

دوسرا: شیطان روز بچہ انسان کو بہکاتے تھے، اب چڑھ گئے لڑکوں کے داؤ پر۔ بھئی ان سے شیطان نے بھی پناہ مانگی۔ دیکھو نہ کیا بھیگی بلی بنے دم دبائے بھاگے جاتے ہیں۔ "لاحول ولا۔"

□□□

سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس

مدارس کے طلبہ کے لیے عصری تعلیم کے مواقع

علم کسی بھی زمانے میں خانوں میں تقسیم نہیں کیا گیا مگر نئے زمانوں، نئی فکروں، اور نئے ذہنوں نے اپنی تعلیم یا فکر یا جہل کی بنیاد پر اس کے درمیان لکیر کھینچ کر اسے دنیوی اور دینی علم میں تقسیم کر دیا ہے۔ زمانے کے لحاظ سے یہ تقسیم گوارا کر بھی لی جاتی ہے تو اس تقسیم کو زمین اور آسمان جیسی تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ پانی اور آکسیجن جیسی، ہوا اور خوشبو، سانس اور غذا جیسی یہ تقسیم ہو تو مضائقہ نہیں۔

ہم آج زندہ ہیں مگر ہمیں آج میں سانس لیتے ہوئے کل میں زندہ رہنا ہے — وہ کل جو آئندہ ہے، وہ کل جو مستقبل ہے اور وہ کل جو ہمارے لیے بہشت ہے۔ آج دنیوی و عصری علوم کا حصول ہمارے لیے اسی آنے والے کل کی ضرورت ہے اور ایک انتہائی اعلانیہ بھی۔

گذشتہ زمانوں میں علم کو روزگار سے نہیں بلکہ انسان اور انسانی اقدار سے وابستہ کیا گیا مگر مرورِ ایام کے ساتھ یہ فلسفہ بھی بدل گیا اور دنیوی علوم کو فوقیت دی جانے لگی۔

جب یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے تو پھر ہم اپنی نوجوان نسل کو ان علوم سے دور کیوں رکھے ہوئے ہیں جبکہ علوم بذات خود اتنے Specialiced کر دیے گئے ہیں کہ اگر آپ ہاتھ بڑھائیں تو آپ کی پسند کے مطابق علم آپ کی مٹھی میں آ جائے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ مدارس میں دینی تعلیم پانے والے ذہنوں کو عصری علوم کی افادیت سے محروم رکھا گیا ہے؟

مدرسے تبلیغِ دین کی اشاعت کے اپنے مقاصد میں تبھی کامیاب ہو سکتے ہیں جب وہ عالمی علوم، عالمی زبانوں، عالمی رابطے کے مزاج وغیرہ سے ہم آہنگ ہوں اور یہ ہم آہنگی صرف مدرسوں کے احاطوں سے، مدرسوں کے نصاب سے نہیں آ سکتی بلکہ اس کے لیے اپنے ذہنوں کو کسی لکیر کا فقیر ہونے سے بچانا ہوگا۔

آیئے ان مواقع کا ذکر کریں جو مدارس میں دینی علوم میں مشغول طلبہ کے لیے فراہم ہیں۔ ان مواقع سے نہ تو ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی خلل پیدا ہوگا، نہ ان کا موجودہ اکتساب عمل متاثر ہوگا۔ جتنی مدت یہ مدرسے کی سند حاصل کرنے میں گزار دیں گے اسی مدت میں ساتھ ساتھ کسی دوسری سند کے لیے بھی یہ اپنا تعلیمی عمل جاری رکھ سکتے ہیں۔ ایسے مواقع ریاستی سطح پر بھی مہیا ہیں اور قومی سطح پر بھی۔

ریاستی سطح پر مہیا مواقع کا علم متعلقہ محکمۂ تعلیمات سے ہو سکتا ہے۔ جیسے بہار میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، آندھرا پردیش میں اردو اوپن اسکول وغیرہ۔ قومی سطح پر ایسے مواقع بہت زیادہ فراہم ہیں۔ ان مواقع کی تقسیم دو طرح کی جا سکتی ہے۔ (1) سرکاری سطح پر (2) غیر سرکاری / ادارہ جاتی / جامعاتی سطح پر۔

1- سرکاری سطح پر مہیا مواقع میں مرکزی حکومت کے تحت ایک نیشنل اوپن اسکول NOS نئی دہلی میں قائم ہے جس کے مراکز ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ دوسرا مرکز اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونی ورسٹی، نئی دہلی ہے۔ تیسرے ملک کی بیسوں جامعات میں فراہم کردہ اوپن لرننگ سسٹم، مراسلاتی سسٹم کے تحت انڈر گریجویٹ پروگرام اور چوتھے میڈیم کے اعتبار سے مختلف اداروں کی جانب سے مختلف ریاستوں اور قومی سطح پر فراہم ادارے آندھرا پردیش میں ادارۂ ادبیات اردو کے اردو ماہر، اردو عالم، اردو فاضل وغیرہ، ہندی پرچار سبھا، دکھشن بھارت ہندی پرچار سبھا کے کئی کورس یہاں تک کہ .B.Ed وغیرہ شامل ہیں۔

ایسے کئی ادارے مختلف ریاستوں میں موجود ہیں جہاں دو طرح داخلہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بعض کورس ایسے ہیں جہاں بغیر کسی تعلیمی قابلیت کے داخلہ مل جاتا ہے۔ چاہے وہ انڈر گریجویٹ کورس ہوں (BA/BSC/BCom وغیرہ) یا پھر پوسٹ گریجویٹ کورس (M.A./M.Com)۔ بعض کورسوں میں مدارس کی اسناد کی مماثلت کی بنیاد پر داخلہ کیا جاتا ہے۔ جیسے بیشتر دینی مدارس کی اسناد کو کئی یونی ورسٹیوں، مرکزی و ریاستی حکومتوں کے محکمہ ہائے تعلیمات اور مختلف تعلیمی اداروں میں فراہم کی جانے والی مختلف سطح کی اسناد کے مماثل قرار دیا گیا اور تسلیم کیا گیا ہے۔ اس بنیاد پر بھی عصری تعلیمی شعبے میں مدارس کے طلبہ کا داخلہ ہو سکتا ہے اور اس طرح اتنے سال جو تعلیم حاصل کی گئی ہے اسی کو بنیاد بناتے ہوئے عصری تعلیم کے اعلیٰ مدارج تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ووکیشنل اور روزگار پر مبنی کورس فاصلاتی طرز میں ہوں کہ ریگولر طرز میں، کیے جا سکتے ہیں اور اس طرح، جیسا کہ آج کا انسان جی رہا ہے، کئی متبادلات یا ایک سے زائد متبادلات کے ساتھ — بالکل اسی طرح دینی مدارس کے طلبہ بھی کئی متبادلات کے ساتھ زندگی جی سکتے ہیں، کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

ہم یہاں ان اداروں کے نام فراہم کر رہے ہیں جہاں سے اپنی پسند کے کورسوں کے سلسلے میں مکمل معلومات، رہنمائی اور گائیڈنس حاصل کی جا سکتی ہے۔

1. PRO/ Director (Academic)
   Indira Gandhi National Open University
2. National Open School,
   B/31-B, Kailash Colony, New Delhi-110048.
3. Jana Shikshana Sansthan
4. Productivity Council
5. Hindi Prachar Sabha

انٹرمیڈیٹ کے مماثل کورس

درج ذیل کورس جن کے نصاب میں سینئر اسکول سرٹی فکیٹ (10+2) یا انٹرمیڈیٹ کے معیار کی انگریزی شامل ہے۔ بی اے، بی ایس سی، بی کام میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ یا (10+2) کے مماثل قرار دیے گئے ہیں:

1- فاضل ادب، لکھنؤ یونی ورسٹی، لکھنؤ
2- دبیر کامل، لکھنؤ یونی ورسٹی، لکھنؤ
3- عالمیت، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
4- فضیلت، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ
5- عالمیت، جامعۃ الفلاح، بلیریا گنج، اعظم گڑھ
6- عالمیت، جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ
7- عالمیت، جامعہ سلفیہ، مدن پورہ، وارانسی
8- فاضل، مغربی بنگال مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، کلکتہ
9- عالمیت، بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ
10- عالمیت، دارالعلوم تاج المساجد، بھوپال
11- عالمیت، جامعہ سراج العلوم، السلفیہ جھنڈا نگر، نیپال
12- عالمیت، جامعہ دارالسلام، عمر آباد، تامل ناڈو
13- عالمیت، جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، اورنگ آباد، مہاراشٹرا
14- عالمیت، الجامعۃ السلفیہ (مرکزی دارالعلوم) ریوڑی تالاب، وارانسی
15- عالمیت، جامعہ سید نذیر حسین محدث، پھاٹک حبش خاں، دہلی
16- جامعہ عالیہ عربیہ، مئوناتھ بھنجن (یوپی)
17- عالیت، الجامعۃ الاسلامیہ، تل خانہ، سدھار تھ نگر، بستی (یوپی)
18- فضیلت، مدرسہ ریاض العلوم، اردو بازار جامع مسجد، دہلی
19- فضیلت، جامعہ الصالحات، رام پور (یوپی)
20- فضیلت، جامعہ اسلامیہ سنابل، دہلی
21- فضیلت، جامعہ محمدیہ، مالیگاؤں، مہاراشٹر
22- فضیلت، کلکتہ مدرسہ کالج، کلکتہ
23- فضیلت، دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ
24- عالم، یوپی بورڈ آف عربک اینڈ پرشین، الہ آباد
25- عالمیت، جامعہ ابن تیمیہ، چمپارن، بہار
26- مولوی، بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ
27- اردو فاضل، ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد
28- عالمیت، کالج آف اسلامک اسٹڈیز مدینہ انور، ہنوتر
29- عالمیت، جامعہ محمدیہ ایجوکیشن، بائیکلا، ممبئی

اگر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جو تعلیم اب تک حاصل کی گئی ہے اس کی مماثلت کس درجے کی ہے تو پھر آگے تعلیمی مدارج طے کرنے کے لیے ریگولر یا ہر فاصلاتی طرز میں کسی بھی مقامی و غیر مقامی جامعہ سے ربط پیدا کیا جا سکتا ہے یا پھر درج ذیل مخصوص اوپن یونی ورسٹیوں یا چند ریگولر یونی ورسٹیوں کے شعبۂ فاصلاتی تعلیم (Directorate of Distance Education) سے خط و کتابت کی جا سکتی ہے۔

خط مختصر ہو، جامع ہو، انگریزی (ہندی علاقوں میں ہندی میں بھی ہو سکتا ہے) میں ہو، چند سطری ہو۔ اور مناسب الفاظ میں اپنی بات پہنچانے کا اہل ہو۔

1) Dr. B.R. Ambedkar Open University
   Road No.-46, Jubilee Hills,
   Hyderabad-500033- A.P.
   Tel: 040-3546271-3544830
   aou@aouni.ren.nic.in
2) Maulana Azad National Urdu University
   Gacchi Bowli, Hyderabad-500032
   Tel: 040-5503350 (PRO)-5502316 (Registrar)
   5503144 (Distance Edn)
3) Nalanda Open University
   9-Adarsh Colony, Qidwaipuri, Patna-800001
   Tel: 0612-234330, Fax:228513
4) Dr. Baba Sahib Bheem Rao Ambedkar Open University
   Govt. Banglow, No.9- Dafnal-Shahi Bagh
   Ahmedabad-380003
   Tel:7869690-91, Fax:079-7869691
5) Directorate of Distance Education
   Bangalore University, Jnana Bharathi
   Bangalore-560056
   Tel:080-3303023-3355036, Fax: 080-3389295

Bailey Road, Patna-800001

3. Central Board of Secondary Education
2, Community Centre, Siksha Kendra
Preet Vihar, Delhi-110092
4. Council for the Indian School Certificate
Examinations, Pragati House,
47-48, Nehru Place, New Delhi-110019
5. Gujarat Secondary Education Board
Sector-10-B, Gandhi Nagar, 382019
6. Haryana Board of School Education,
Hansi Road, Bhiwani-125021
7. The Jammu & Kashmir State Board of School
Education, Rehari Colony Jammu-180001
Lal Mandi, Srinagar-190005
8. Karnataka Board of pre-University Education
Technical Education Building
Pakee Road, Bangalore-560001
9. Kerala Board of Higher Secondary
Examinations, Thiruvananthapuram
10. Maharashtra State Board of Secondary and
Higher Secondary Education
Shivajinagar, Pune-411010
11. Madhya Pradesh Board of Secondary
Education, (Madhyamik Shiksha Mandal)
Madhya Pradesh, Bhopal-462001
12. Punjab School Education Board
SAS Nagar, (Ropar) Mohali-160055
13 UP Board of Higher School & Intermediate
Education, Allahabad-211001
14. West Bengal Council of Higher Secondary
Education, Bikash Bhawan, North & East
Block (2nd Floor) Salt Lake Kolkata-700091

اگر ان پتوں پر آپ کے استفسار پر کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی جاسکے تو
پھر آپ اس مرکزی دفتر سے ربط پیدا کرسکتے ہیں:

15. Concil of Boards of School Education in India
(COBSE)
303, Times House, 5, Community Centre,
Wazirpur Industrial Area,
Delhi-110052

❑❑❑

Dr. Salman Abid
161, SPI, C, CIB Quarters, Nehru Nagar,
Kachiguda, Hyderabad-27

❑❑❑

6) Karnataka State Open University
Manasgangotri, Mysore-570006, Karnataka
Tel: 514848-515405
7) Madhya Pradesh Bhoj Open University
Red Cross Building, Shivaji Nagar,
Bhopal-462206, M.P.
Tel: 576555, Fax: 0755-550606
VC@rbubhop.mp.nic.in
8) Makhanlal Chaturvedi Rashtriya Patrakarit
Vishwavidyalaya, (National Univeristy of
Journalism)
E-8, Shahpura, Bhopal-462016, M.P.
9) Pondicherry University
R. Venkataraman Nagar, Kalapet,
Pondicherry- 605014, Tamilnadu
Tel: 0413-65177, Fax:65265
10) Kota Open University
Akel Garh, Rawat Bhata Road,
Kota, 324010, Rajasthan,
Tel:0744-426971, Fax: 426451-451166
11) Annamalai University South Arcot, Vellela,
Dist. P.O. Annamalai Nagar-608002
(Tamilnadu)
Tel: 04144-38610, Fax: 38987
12) Directorate of Distance Education
Barkatullah Vishwavidyalaya
Hoshangabad Road
Bhopal-462026, M.P.
Tel:587151-587153, Fax: 0755-587236
barkatul@cat.ernet.in
13) Dakshina Bharat Hindi Prachar Sabha
P.B. No. 1419, Thyagarayanagar
Chennai-600017, Tamil Nadu- Tel:4341824
14) Yashwant Rao Chawhaan Maharashtra
Open University
Dnyangangotri, Near Gangapur Dam
Govardhan, Nashik-422005, (MS)
Tel : 351714-351715, Fax:0253-351716
Opp@ycmou.ernet.in

آگے کورسوں اور سند کی مماثلت کے سلسلے کی مزید معلومات کے لیے
مختلف ریاستوں کے محکمۂ تعلیمات سے ان پتوں پر ربط پیدا کیا جاسکتا ہے:

1. A.P. Board of Intermediate Education
Vidya Bhavan, Nampally, Hyderabad-500001
2. Bihar Intermediate Education Council

سید اختیار جعفری

کیریئر گائیڈنس

میدانِ صحافت میں کیریئر

"سب کی خبر لے، سب کی خبر دے"

چند سال قبل تک ایک ہندی روزنامے کی یہ جِنگل بندی بڑی معروف تھی۔ حقیقتاً اس ایک سطر میں صحافت کا خلاصہ پوشیدہ ہے۔ دنیا بھر میں سب کی خبر لینے اور سب کی خبر دینے کے سوا، صحافت اور ہے بھی کیا؟ سہولت کے لیے اُسے تاریخ کا پہلا تحریری دستاویز کہیں یا علم و سائنس کے فروغ و نشر و اشاعت کا سب سے طاقت ور میڈیم۔۔۔ دراصل صحافت ہی، واقفیت اور اطلاع کے لین دین کا نام ہے۔

ہندستان میں صحافت کی تاریخ ہماری آزادی کی جدو جہد کی طرح ہی قدیم ہے۔ آزادی کی جنگ میں صحافت کا بے باک تعاون بھلا کون بھول سکتا ہے۔ یہ آزادی کی جنگ ہی تھی جس نے ہمارے ملک میں صحافت کی بنیاد رکھی۔ آزادی کے بعد سیاسی اور سماجی بیداری کے فروغ میں صحافت کا اہم رول رہا ہے۔ انفارمیشن انقلاب نے خبروں اور انفارمیشن کی دنیا کو مفید، مثبت، دل چسپ اور تیز رفتار بنایا ہے اور آج خبریں اور اخبار جدید دنیا کی طرزِ زندگی کا اہم حصہ بن چکے ہیں۔ متعدد معروف صحافی، لاتعداد اسٹرنگر، تجزیہ کار، تبصرہ نگار دُنیا بھر میں ہو رہے حادثات و واقعات کو دیکھنے، پرکھنے، ان کے بارے میں لکھنے اور چھاپنے کے کام میں لگے ہیں۔ کسی بھی حلقے میں عمدہ صحافت کا مطلب ہے جلدی اطلاع دینا، اطلاع کا تجزیہ کرنا اور اس اطلاع یا خبر کے ذریعے قاری یا سامع کو ایک سمت دینا۔ یوں تو صحافت مرد اور خواتین دونوں ہی کے لیے دل چسپ اور مرغوب پیشہ ہے، تاہم ابتدا میں اس میدان میں خواتین کی شمولیت کم ہی رہی۔ حالات اب آہستہ آہستہ بدل رہے ہیں۔ آج لڑکیاں بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ صحافت میں کامیابی کے نئے معیار قائم کر رہی ہیں۔ کسی بھی دوسرے پیشے کی طرح یہاں بھی صلاحیت اور عمدہ کام کی اہمیت سمجھی جاتی ہے۔ آیئے دیکھیں اس میدان میں کیریئر کی کیا صورت حال ہے۔

موٹے طور پر صحافت کا مطلب ہے خبروں کا لین دین۔ الگ الگ ذرائع خبر رسانی سے خبریں حاصل کر کے اُنھیں لکھ کر، تصویر کی شکل میں اُنھیں دکھا کر یا بول کر پیش کرنا، سب کچھ صحافت کے ہی ذیل میں آتا ہے۔ یہاں اطلاعات جمع کر کے، اُس کا فوری تجزیہ اور پیش کش کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ اس کے لیے کام کرنے والوں مثلاً ریسرچ، رپورٹر، سب ایڈیٹر، پروف ریڈر، فوٹو گرافر، کارٹونسٹ، اسٹرنگر اور لے آؤٹ آرٹسٹ کے ساتھ ساتھ کمپوزیٹر و کمپیوٹر آپریٹر سبھی کے درمیان تعاون اور تال میل کی ضرورت ہوتی ہے۔ گھبرایئے نہیں، یہ تمام کام صحافت میں ہی آتے ہیں۔ یعنی پیشے کے طور پر صحافت کا مفہوم زیادہ ہی وسیع اور متنوع ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ یہاں ایڈیٹوریل کے علاوہ فوٹو گرافی، پروف ریڈنگ، کمپیوٹر گرافکس، کمپوزنگ، ٹائپنگ اور لے آؤٹ جیسے تکنیکی کاموں میں بھی مہارت دکھا سکتے ہیں۔

کسی بھی باقاعدہ اخبار میں یا میگزین میں درج ذیل کام ہوتے ہیں۔

رپورٹنگ:

کسی بھی خبر بننے لائق واقعے کی رپورٹ کرنا ہی رپورٹنگ کہلاتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو موضوع پر تحقیق یا خبر کے مالہٗ وماعلیہ کی واقفیت حاصل کرنے کے بعد ہی رپورٹر اپنا کام شروع کرتا ہے۔ اطلاع یا خبر کے لیے وہ پریس کانفرنس میں جاتا ہے۔ متعلقہ افراد سے ملتا ہے، انٹرویو کرتا ہے اور واقعے کی صحیح تفصیلات فراہم کرنے کے لیے جائے واقعہ کا دورہ بھی کرتا ہے۔ اپنے کام میں رپورٹر کو غیر جانب دار اور بے باک رہتے ہوئے چستی سے ڈیڈ لائنس پر دھیان دینا ہوتا ہے۔ کئی بار کچھ خبروں کے لیے رپورٹر کو ہفتوں یا مہینوں کام کرنا پڑتا ہے۔ رپورٹر کے لیے کام کرنے کا کوئی متعین وقت نہیں ہوتا۔ عام طور پر رپورٹر کا کام خبروں کی فراہمی پر منحصر کرتا ہے۔

رپورٹنگ میں کافی تجربے اور اس سے متعلق معاملات میں بہترین واقفیت کی بنیاد پر ہی کسی رپورٹر کو اسپیشل کرسپانڈنٹ (خصوصی نمائندہ) یا رپورٹر کا درجہ ملتا ہے۔ کئی بار علاقائی مراکز کے لیے بھی خصوصی نمائندے یا بیورو رکھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشیات، امور خارجہ، کھیل، سائنس، جرائم، قانون، لا اینڈ آرڈر، صحت، کیریئر اور ماحولیات جیسے موضوعات پر بھی خصوصی مہارت کی ضرورت نے خصوصی نمائندوں کی تعداد میں اضافہ کیا ہے۔ کچھ زیادہ اہم اخباری گروپ غیر ممالک میں بھی اپنے خصوصی نمائندے اور اسٹوری رائٹر رکھتے ہیں۔

ایڈیٹنگ:

یہ ڈیسک کا کام ہے جس میں نہ صرف خبریں بلکہ فیچر یا آرٹیکل تک

ایڈٹ کر کے تصحیح و ترتیب دیے جاتے ہیں تاکہ وہ اخبار کے مزاج اور معیار کے مطابق بن سکیں۔ رپورٹنگ اسٹاف ایڈیٹوریل شعبے کے تحت کام کرتا ہے۔ اسے اردو میں شعبۂ ادارت کہتے ہیں۔ اس شعبے میں سب ایڈیٹر کا پی ایڈیٹنگ کا کام دیکھتا ہے۔ زبان، لہجہ اور اسٹائل کو دیکھنے کے علاوہ خبروں کو عنوان دینے سے لے کر وہ خبروں کی تحریر نو اور ترتیبِ نو کا کام بھی کرتا ہے۔ عام طور پر سب ایڈیٹر چھ سات گھنٹے کی شفٹ میں کام کرتا ہے۔ شعبۂ ادارت میں فیچر نویس عام دل چسپی کے مختصر اور طویل مضمون یا معلوماتی فیچر لکھتے ہیں۔ متعینہ فیچر کالم کے لیے فری لانس صحافیوں کی مدد بھی لی جاتی ہے۔ ایڈیٹوریل ڈپارٹمنٹ میں کہیں کہیں سینئر رپورٹر مستقل کالم بھی لکھتے ہیں۔ اس شعبے میں سب سے اہم کام ہے اداریہ لکھنا۔ عام طور پر ایڈیٹر، چیف سب ایڈیٹر یا کوئی سینئر صحافی ہی یہ ذمہ داری سنبھالتا ہے۔

آرٹسٹ / فوٹو گرافر:

کسی بھی خبر یا مضمون کے مطابق اسکیچ، گرافک یا کارٹون وغیرہ بنانے کا کام آرٹسٹ کرتا ہے۔ وہ اخبار کے لے آؤٹ یعنی بیرونی خوبصورتی پر نظر رکھتا ہے اور اُسے ہر ممکن طریقے سے خوب صورت و دل چسپ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ فوٹو گرافر، خبر، حادثہ یا مضمون کی روح سے متعلق فوٹو گراف مہیا کراتا ہے۔ خوبصورت تصویروں کے ساتھ وہ اخبار کے قاری کی دل چسپی برقرار رکھتا ہے۔ بعض اخباروں و میگزینوں میں فوٹو فیچر جیسے مستقل کالم ہوتے ہیں جن کے لیے فوٹو گرافروں کو خاص طور پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ پرنٹ میڈیا میں پروڈکشن، ایڈورٹائزنگ، سرکولیشن، مارکیٹنگ اور پبلک ریلیشن وغیرہ سے متعلق بھی اسٹاف کی خاصی تعداد کام کرتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے شعبے میں مہارت رکھنے والا ہوتا ہے۔

وسعتِ کار:

صحافت کے میدان میں داخلہ عام طور پر تربیتی صحافی (جرنلسٹ انڈر ٹریننگ) کے طور پر ہوتا ہے۔ تربیت کے بعد بھی زیادہ تر اخبار اپنے مزاج کے مطابق بنانے کے لیے امیدوار کو اپنے طور پر مزید تربیت دیتے ہیں۔ عام طور پر یہ عملی تربیت ایک سال تک چلتی ہے۔ تربیت کے دوران امیدوار کو صحافت کے ہر میدان اور ہر شعبے میں کام کرایا جاتا ہے۔ یہاں وہ پولیس، نیوز ایجنسیوں، نیوز بیورو، انٹرنیشنل نیوز ایجنسیوں وغیرہ سے خبر لینا اور ان کی ایڈیٹنگ کرنا سیکھتا ہے۔ رپورٹنگ میں اپنی قابلیت ثابت کرنے والے امیدوار کو رپورٹر کی پوسٹ پر تقرر مل جاتا ہے۔ سینیارٹی کی بنیاد پر رپورٹر بالترتیب اسٹرنگر، رپورٹر، سینئر چیف رپورٹر اور پھر بیورو چیف کا عہدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اوارتی صلاحیت کی بنیاد پر سب ایڈیٹر کا عہدہ حاصل کر سکتا ہے۔ تجربے کے ساتھ ساتھ اُسے چیف سب ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر کے عہدوں پر ترقی مل سکتی ہے۔

صحافت کی دنیا میں کسی بھی میدان میں خصوصی مہارت رکھنے والا شخص پرنٹ میڈیا میں مہتمم بالشان ایڈیٹر یا چیف ایڈیٹر کا عہدہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ چیف ایڈیٹر کی پالیسی متعین کرنے والا، منتظم اور اپنے گروپ کی تمام سرگرمیوں کو منظم کرنے اور عمل میں لانے کا مرکز ہوتا ہے۔ یہاں دھیان دینے کی بات یہ ہے کہ صحافت میں ترقی کا کوئی لگا بندھا ڈھرا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کم وقت میں آپ اپنی قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر اچھا عہدہ اور کلیدی پوزیشن حاصل کر لیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ برسوں صحافت میں رہتے ہوئے بھی نہ کوئی شناخت بنا پائیں اور نہ ہی کچھ خاص کما سکیں۔ یہاں دراصل بہت کچھ آپ کے جوہر اور ذاتی لیاقت پر بنی ہے۔

تربیت:

صحافت میں داخلہ صرف روایتی تربیت کے بعد ہی ہو ایسا قطعی نہیں ہے۔ تاہم ہر میدان میں تکنیک اور مہارت کی بڑھتی اہمیت نے کاروباری تربیت کو اس کا بنیادی عنصر ضرور بنا دیا ہے۔ متعدد جانے مانے اخبار نوجوان گریجویٹس کی سیدھی بھرتی کر کے انھیں کاروباری تربیت دیتے ہیں۔ ان میں انتخاب گریجویشن میں لیے گئے موضوعات، خبروں میں اُمیدوار کی دل چسپی اور حادثات و واقعات کو سمجھ پانے کی اس کی اہلیت پر ہی کیا جاتا ہے۔ تحریر میں چابک دستی، خیالات کو واضح الفاظ میں ظاہر کرنا، غیر جانب دار اور ترقی پسند افکار، مختلف موضوعات میں دل چسپی اور خبروں کی اہمیت بروقت سمجھنے کی صلاحیت ایسی خصوصیات ہیں جو صحافی کے طور پر منفرد شناخت قائم کرنے میں آپ کی معاون ہوتی ہیں۔

صحافت میں تربیت اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے کسی بھی مؤقر علمی ادارے میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔ تعلیم و تربیت عام طور پر انگریزی یا ہندی زبان کے ذریعے ہوتی ہے۔ ایک آدھ ادارہ ہی اردو زبان میں یہ سہولت میسر کراتا ہے۔ اس کے لیے گریجویٹ ہونا لازمی ہے۔ کچھ یونی ورسٹیاں صحافت میں ڈگری کورس کراتی ہیں۔ یہاں داخلے کے لیے بارھویں کلاس پاس کا داخلہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مواصلات عامہ کورس کے ایک حصے کے طور پر بھی صحافت کی تعلیم ہوتی ہے۔

توقعات:

یہ ایسا میدان ہے۔ جس میں ترقی کی بے شمار اُمیدیں ہیں۔ صحافت میں ڈگری یا ڈپلومہ ہولڈر اخبارات، میگزین میں کام کر سکتے ہیں۔ وہ نیوز ایجنسیوں اور بیورو میں بھی کام حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر معتبر ادارے سے صحافت کا

کورس کیا ہے تو آل انڈیا ریڈیو، ڈائرکٹوریٹ آف وگیاپن و مواصلات یا انفارمیشن و براڈکاسٹنگ وزارت میں بھی سروس مل سکتی ہے۔ معروف اخباروں، ایجنسیوں میں اور نیوز منٹ ورک کے علاقائی دفاتر میں بھی صحافیوں کی ضرورت ہمیشہ بنی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ فری لانسنگ بھی کرسکتے ہیں۔ ہاں فری لانس کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس آمدنی کا دوسرا ذریعہ بھی ہو کیوں کہ ہندی اور اردو صحافت میں ابھی پیسہ بہت کم ہے۔

عام طور پر کسی بھی اخبار میں سیاست، معاشیات، کھیل، سائنس، زراعت، آرٹ اور ادب جیسے موضوعات پر اچھی گرفت رکھنے والے صحافیوں کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ انفارمیشن ایکسپلوژن کے اس دور میں کیریئر بنانے کے لیے اسپشلائزیشن بے حد ضروری ہو گیا ہے۔ صحافت کے میدان میں ایک سے زائد زبانوں سے واقف ہونا بھی جلدی کامیابی کی ضمانت ہے۔

یہاں سے کورس کیجیے:

پی جی ڈپلومہ ان جرنلزم:

انڈین پبلک انفارمیشن سینٹر، جواہر لال نہرو یونی ورسٹی، دہلی۔

ماسٹرس ان ماس کیمونی کیشن اینڈ جرنلزم:

ماکھن لال چترویدی نیشنل جرنلزم یونی ورسٹی،

E-8/76، اریرہ کالونی بھوپال (ایم پی)

گریجویشن اینڈ پوسٹ گریجویشن ایجوکیشن:

بنارس ہندو یونی ورسٹی، بنارس (یوپی)

ڈگری کورس ان جرنلزم:

مراٹھواڑہ یونی ورسٹی اورنگ آباد۔ (مہاراشٹر)

ڈگری کورس ان جرنلزم:

للت نارائن مشرا متھلا یونی ورسٹی، کامیشور نگر، دربھنگہ (بہار)

کورسیز فار پی جی اسٹڈی ان جرنلزم اینڈ ماس کیمونی کیشن:

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ (یوپی)

سرٹیفکیٹ کورس ان ماس کیمونی کیشن:

لال بہادر شاستری انسٹی ٹیوٹ، لکھنؤ (یوپی)

ڈپلومہ ان ماس میڈیا:

آگرہ یونی ورسٹی آگرہ (یوپی)

ڈگری کورس ان ماس کیمونی کیشن:

جامعہ ملیہ یونی ورسٹی، جامعہ نگر، نئی دہلی

□□□

4/28-B, Resham Katra, Tajganj, AGRA-1

انتخاب غزلیات میر
ڈاکٹر حامدی کاشمیری
میر تقی میر کی شاعری کا منظر نامہ شخصی زندگی کی حدوں کو سمیٹتا ہوا ایک آفاقی انسانی صورت حال کو ابھارتا ہے جس میں سایوں اور روشنیوں کی ایک طلسمی دنیا آباد ہے۔
دوسری اشاعت
255 صفحات — قیمت: 62/روپے

اردو کی کہانی
سید احتشام حسین
بچوں کی تعلیمی ضروریات نیز تعلیم بالغاں کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس طرح لکھی گئی ہے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ ابتدا سے موجودہ دور تک ایک تسلسل کے ساتھ سامنے آجائے۔ کتاب میں ہِل قلم کی 61 تصویریں بھی ہیں۔
دوسرا ایڈیشن
104 صفحات — قیمت: 21روپے

امریکی ادب کا مختصر جائزہ
ڈاکٹر سلامت اللہ خاں
انیسویں صدی سے امریکہ میں ایسا ادب تخلیق ہو رہا ہے جو اپنی بعض خصوصیات میں دوسرے ممالک کے انگریزی ادب سے مختلف ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ امریکی ادب کے تاریخی اور ثقافتی سیاق و سباق کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔
دوسرا ایڈیشن
192 صفحات — قیمت: 52روپے

اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ
پروفیسر محمد حسن
ادبی سماجیات ایک نئے علم کی حیثیت سے حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ یہ کتاب اردو میں ادبی سماجیات کے مطالعے کی پہلی کوشش ہے جو اس کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔
پہلی اشاعت
334 صفحات — قیمت: 98روپے

اردو ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ترسیل و ابلاغ کی زبان
ڈاکٹر کمال احمد صدیقی
مصنف برسوں تک آل انڈیا ریڈیو میں ذمے دارانہ عہدوں پر رہے ہیں۔ انھوں نے باریک بینی کے ساتھ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زبان پر گفتگو کی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے قلم کاروں کے لیے یہ کتاب خصوصی افادیت رکھتی ہے۔
پہلی اشاعت
646 صفحات — قیمت: 200روپے

اردو ڈراموں کا انتخاب
مرتب: پروفیسر محمد حسن
1947ء سے 1990 تک اردو میں لکھے جانے والے ڈراموں کا ایک نمائندہ انتخاب جن میں تاریخی، نیم تاریخی، سماجی اور سراسر تمثیلی ڈرامے بھی شامل ہیں۔ ابتدا میں فاضل مرتب نے ڈرامے کے فن اور اس کی روایت پر بھرپور گفتگو کی ہے۔
پہلی اشاعت
600 صفحات — قیمت: 156روپے

کمپیوٹر کالم

عظیم صدیقی

مائکروسافٹ ورڈ

وتد کا تعین (Indentation)

- Alignment کے نیچے وتد (Indentation) کے تعین کرنے کا خانہ ہے جس میں دائیں اور بائیں دونوں اطراف کا فاصلہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وتد معلق (Hanging Indent) بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔ وتد معلق دو طرفہ پیکان سے نیچے دکھایا گیا ہے۔
- اس کے لیے Special کے خانے پر کلک کیجیے، متبادلات میں وتد معلق پر کلک کیجیے اور By کے خانے میں اس کا ناپ Point Size میں تحریر کریں۔

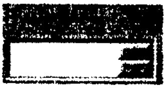

A quick brown fox jumps over the lazy dog

This sentence was coined in the beginning of the twentieth century when typewriters were in vogue. There ⟷ could be many reasons assigned to the coining of this sentence.

خلا بین پیرا اور بین السطور (Para and Line Spacing)

- Spacing کے خانوں میں پیرا سے پہلے (Before) کے اور پیرے کے بعد (After) کے خلا کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ مثال اگلے صفحے پر دیکھیں۔
- Line Spacing میں بین السطور کا ناپ لکھا جاسکتا ہے۔ بین پیرا اور بین السطور دونوں نقطوں (Point) میں لکھے جاتے ہیں یا ان کے جو متبادلات نکلتے ہیں ان پر کلک کریں۔ اگلے صفحے پر ان کی مثالیں دی گئی ہیں۔ یہ سارے امور اس استفساریے میں ایک ہی دفعہ انجام دیے جاسکتے ہیں اور یہ سب نمائشی دریچے میں نیچے دکھائی دیتے رہتے ہیں۔
- جب آپ اپنی کی ہوئی تبدیلیوں سے مطمئن ہو جائیں تو OK پر کلک کریں۔ ان سب کا اطلاق منتخب شدہ عبارت پر ہو جائے گا۔

Para spacing *6 pt before and 6 pt after*

This sentence was coined in the beginning of the twentieth century when typewriters were in vogue. There could be many reasons assigned to the coining of this sentence.

First and the foremost is that all the twenty-six alphabets are used in this sentence at least once. This makes it a very good sentence for typing practice.

English men, for the last so many centuries had a very queer sort of a popular sport, that is ***fox hunting***.

1.5 Line Spacing .... *Key board function Ctrl + 5*

This sentence was coined in the beginning of the twentieth century when typewriters were in vogue. There could be many reasons assigned to the coining of this sentence.

Double Line Spacing .... *Key board function Ctrl + 2*

First and the foremost is that all the twenty-six alphabets are used in this sentence at least once. This makes it a very good sentence for typing practice.

Exact 12 Point Spacing

English men, for the last so many centuries had a very queer sort of a popular sport, that is ***fox hunting***.

پیراگرافوں کو نشان زد کرنا یا نمبر کاری (Bullet or Numbers of Paras)

یہ کام متن کو منتخب کرکے لوحِ آلات پر (نشان زدگی کے لیے) یا (نمبر کاری کے لیے) کلک کرنے سے یا

- Fomat پر کلک کرکے اس کی فہرست پر Bullets or Numbers پر کلک کرنے سے ہو سکتا ہے۔ اس عمل سے یہ استفساریہ نمودار ہوگا۔

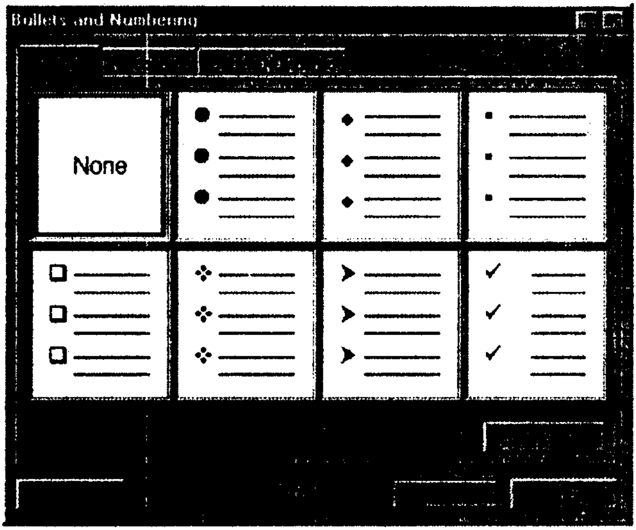

- اس میں جو بھی نشان (Bullets) آپ کو پسند ہو اس پر کلک کیجیے، OK پر کلک کیجیے۔ منتخب شدہ پیراگرافوں پر وہی نشان (Bullets) آجائیں گے۔
- خاص طور پر نشان دہی کرنی ہو تو Customised پر کلک کریں۔ پھر اس میں سے نشانات کا انتخاب کرکے OK پر کلک کریں۔
- نمبر شمار ڈالنے کے لیے Number پر کلک کریں، پھر جو استفساریہ نکلے اس کے مطابق عمل کریں۔
- یہی طریقہ وتد معلق والے پیراگرافوں کے لیے Outlines Numbered پر کلک کرکے استعمال کریں۔ نشان اور پیراگراف کا درمیانی فاصلہ کم یا زیادہ کیا جاسکتا ہے۔ Customised یا لوح آلات پر ان علامات پر کلک کرکے کم و بیش کیا جاسکتا ہے۔

- نشان زدگی کی علامتوں کی مزید واضح کرنے کے لیے ان کو منتخب کرکے ان کا سائز نقطوں کے حساب سے بڑھایا جاسکتا ہے۔

پیراگراف پر کناری یا سایہ ڈالنا (Border & Shading a Paragraph)

- کسی پیراگراف کو زیادہ ممیز کرنے کے لیے اس پر کناری (Border) چڑھائی جاسکتی ہے یا اس کے پس منظر کو سایہ دار (Shaded) کیا جاسکتا ہے۔ آگے مثالوں میں پہلی مثال (Border) کی اور دوسری سایہ داری (Shading) کی ہے۔

This sentence was coined in the beginning of the twentieth century when typewriters were in vogue. There could be many reasons assigned to the coining of this sentence.

This sentence was coined in the beginning of the twentieth century when typewriters were in vogue. There could be many reasons assigned to the coining of this sentence.

- پہلے پیراگراف کو منتخب کیجیے اور پھر تزئین (Format) پر کلک کریں۔ اس کی فہرست (Menu) میں حاشیہ و رنگ (Border & Shading) پر کلک کریں گے تو یہ استفساریہ نکل آئے گا۔

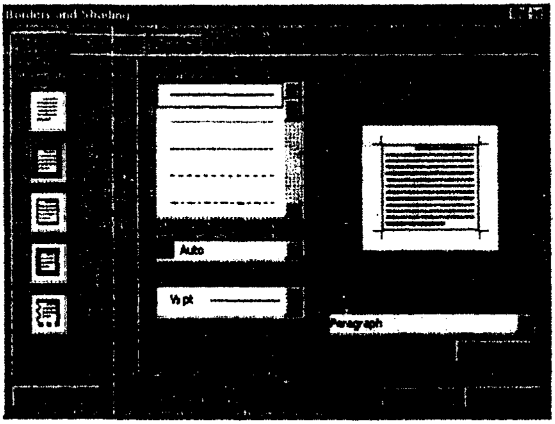

- Border and Shading میں فی الحال None ممیز ہوگا۔ یعنی اس کے چاروں طرف کالا حاشیہ ہوگا جیسا کہ یہاں Box میں لگا ہے۔
- آپ Border setting میں سے کوئی بھی حاشیہ پیکان سے کلک کر کے منتخب کر سکتے ہیں۔ جس کو منتخب کریں گے اس حاشیے پر ایک امتیازی حاشیہ آجائے گا۔
- Style میں کئی طرز کی سطریں دکھائی دے رہی ہیں جس پر کلک کریں گے وہی طرز حاشیے میں آجائے گی۔ اسی طرح سطر کا رنگ (Color) اور اس کی موٹائی (Width) بھی منتخب کی جاسکتی ہے۔ یہ متعلقہ پیکانوں پر کلک کر کے ہوگا۔
- حاشیہ پیراگراف سے کتنی دوری پر ہو یہ آپ Options میں جا کر طے کر سکتے ہیں۔
- یہاں چاروں اطراف کے لیے علاحدہ خانے بنے ہیں جن سے اس طرف کی سطر اور متن کی دوری متعین کی جاسکتی ہے۔
- پیش منظر (Preview) میں سب تبدیلیاں دکھائی دیتی رہتی ہیں۔ مطمئن ہونے پر OK پر کلک کریں۔

(جاری)

علم کیمیا (Chemistry)

(1) کیمسٹری لفظ کس ملک میں سب سے پہلے استعمال ہوا؟

(الف) مصر　(ب) ایران

(ج) کناڈا　(د) سری لنکا

(2) کیمسٹری کی وہ شاخ جس کے تحت کسی شے کی قوت اور وزن سے متعلق نظریات کا مطالعہ کیا جاتا ہے، کہلاتی ہے:

(الف) مادی کیمسٹری　(ب) تخصیصی کیمسٹری

(ج) کاربونک کیمسٹری　(د) نان کاربونک کیمسٹری

(3) کیمسٹری کی وہ شاخ جس کے تحت اعضا اساسی عناصر اور ان میں ہونے والے عمل اور سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے کیا کہلاتی ہے؟

(الف) تخصیصی کیمسٹری　(ب) مادی کیمسٹری

(ج) بایو کیمسٹری　(د) کاربونک کیمسٹری

(4) ڈائنامائٹ میں خاص طور سے پایا جاتا ہے:

(الف) ٹی این ٹی　(ب) آر ڈی ایکس

(ج) نائٹرو گلسرین　(د) پکرک ایسڈ

(5) سرکے میں پایا جاتا ہے:

(الف) سلفیورک ایسڈ　(ب) ایسیٹک ایسڈ

(ج) فارمک ایسڈ　(د) نائٹرک ایسڈ

(6) غذا کے تحفظ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے:

(الف) نائٹرک ایسڈ　(ب) ہائیڈرو کلورک ایسڈ

(ج) فائل　(د) بنجوئک ایسڈ

(7) "مارش" گیس ہے:

(الف) ایتھن　(ب) میتھن

(ج) امونیا　(د) کلورین

(8) آگ بجھانے میں کام آنے والی گیس ہے:

(الف) کلورین　(ب) امونیا

(ج) ہائیڈروجن　(د) کاربن ڈائی آکسائڈ

(9) فاسفورس کو ہمیشہ پانی میں کیوں رکھا جاتا ہے؟

(الف) ٹھنڈا رکھنے کے لیے

(ب) آگ لگنے سے بچنے کے لیے

(ج) پانی میں نہ رکھنے پر اس میں سے زہریلا دھواں نکلتا ہے

(د) باہر رکھنے پر اس میں زنگ لگ جاتا ہے

(10) خالص اور صاف پانی کا PH پیمانہ ہوتا ہے:

(الف) 2　(ب) 9

(ج) 7　(د) 14

(11) عام نمک ہے:

(الف) سوڈیم ہائیڈرو کسائڈ　(ب) سوڈیم کاربونیٹ

(ج) سوڈیم بائیو کاربونیٹ　(د) سوڈیم کلورائڈ

(12) سب سے زیادہ جلنے والی گیس کون سی ہے؟

(الف) ہائیڈروجن　(ب) آکسیجن

(ج) ایسٹیلین　(د) کاربن ڈائی آکسائڈ

(13) دیا سلائی کی تیلیاں بنانے میں مندرجہ ذیل کا استعمال کیا جاتا ہے:

(الف) پوٹیشیم　(ب) سوڈیم

(ج) سفید فاسفورس　(د) لال فاسفورس

(14) "گوبر گیس" میں خاص طور سے پائی جاتی ہے:

(الف) کلورین　(ب) ہائیڈروجن

(ج) ایتھیلین　(د) میتھین

(15) "کوکنگ گیس" میں مندرجہ ذیل گیسیں ہوتی ہیں:

(الف) ہائیڈروجن اور ہیلیم　(ب) ہائیڈروجن اور آکسیجن

(ج) آکسیجن اور میتھین　(د) بیوٹین اور پروپین

(16) چونے کا پانی ہے:

(الف) سوڈیم کلورائڈ　(ب) کیلشیم ہائیڈروکسائڈ

(ج) امونیم ہائیڈروکسائڈ　(د) پوٹیشیم ہائیڈروکسائڈ

(17) ریڈیو ایکٹیوٹی میں بیٹا (beta) شعاعیں ہوتی ہیں:

(الف) مثبت برقی بار　(ب) منفی برقی بار

(ج) تعدیل　(د) سبھی غلط

(18) کس کا ایٹم (جوہر) ہلکا ہوتا ہے؟

(الف) آکسیجن　(ب) تانبا

(ج) کاربن　(د) ہائیڈروجن

(19) سوڈیم کو رکھا جاتا ہے:
(الف) پانی میں (ب) پٹرول میں
(ج) مٹی کے تیل میں (د) ایتھر میں

(20) ہوائی جہاز کے ٹائروں میں مندرجہ ذیل گیس بھری جاتی ہے:
(الف) ہائیڈروجن (ب) نائٹروجن
(ج) ہیلیم (د) نیون

(21) سب سے ہلکی چیز ہے:
(الف) ہائیڈروجن (ب) ہیلیم
(ج) سوڈیم (د) پوٹیشیم

(22) موٹر کاروں میں استعمال کیے جانے والے پٹرول میں شامل ہوتے ہیں:
(الف) ہائیڈروکاربن
(ب) الکوحل اور ایتھر
(ج) ہائیڈروکاربن اور ایتھر
(د) سبھی صحیح ہیں

(23) وناسپتی تیل ہے:
(الف) مختلف ہائیڈروکاربن کی ملاوٹ
(ب) الکوحل اور ہائیڈروکاربن کی ملاوٹ
(ج) بغیر گھلا ہوا چکنا ایسڈ
(د) بغیر گھلے ہوئے چکنے ایسڈ کا گلیسرائیڈ

(24) وٹامن 'C' ہے:
(الف) ڈسکاربک ایسڈ (ب) ایسیٹک ایسڈ
(ج) سائٹرک ایسڈ (د) سلفیورک ایسڈ

(25) ذیل میں سے کون سی گیس تحریری شکل میں استعمال میں نہیں لائی جا سکتی؟
(الف) امونیا (ب) سلفر ڈائی آکسائڈ
(ج) نیون (د) کلورین

(26) ایسڈ کا ذائقہ ہوتا ہے:
(الف) کھٹا (ب) میٹھا
(ج) کڑوا (د) کسیلا

(27) مندرجہ ذیل میں جراثیم کش ہے:
(الف) نائٹروٹالون (ب) سلفیورک ایسڈ
(ج) ڈی ڈی ٹی (د) سوڈیم کاربونیٹ

(28) زیادہ مقدار میں اتھمل الکوحل کا استعمال کرنے سے برا اثر پڑتا ہے:
(الف) گردے پر (ب) جگر پر
(ج) دل پر (د) آنتوں پر

(29) آکسیجن بنانے کے عمل میں:
(الف) الیکٹرون حاصل ہوتے ہیں
(ب) نیوٹرون الگ ہوتے ہیں
(ج) الیکٹرون الگ ہوتے ہیں
(د) نیوٹرون حاصل ہوتے ہیں

(30) موٹر گاڑیوں کے دھوئیں سے نکلنے والی زہریلی گیس ہے:
(الف) میتھین (ب) کلورین
(ج) کاربن مونو آکسائڈ (د) کاربن ڈائی آکسائڈ

(31) علم کیمیا میں نوبل انعام حاصل کرنے والے سائنس داں ہیں:
(الف) جان ڈالٹن (ب) فیراڈے
(ج) وانٹ ہاف (د) ہنری بیکرل

(32) سورج سے آنے والی نقصان دہ پیرابینگنی کرنوں کو روکتی ہے:
(الف) اوزون (ب) نائٹروجن
(ج) آکسیجن (د) ہیلیم

(33) آسمان میں بجلی چمکنے کے دوران بنتی ہے:
(الف) کاربن ڈائی آکسائڈ (ب) کلورین
(ج) نائٹروجن پیرا آکسائڈ (د) سلفر ڈائی آکسائڈ

(34) اسپتالوں میں مصنوعی سانس میں استعمال کے لیے آکسیجن مندرجہ ذیل گیسوں کی مرکب ہوتی ہے۔
(الف) آکسیجن، ہیلیم (ب) آکسیجن، نائٹروجن
(ج) آکسیجن، آرگن (د) آکسیجن، کاربن

(35) دوڑنے والے فوری طور پر توانائی حاصل کرنے کے لیے لیتے ہیں:
(الف) سکروز (ب) وٹامن اے
(ج) وٹامن بی (د) سوڈیم کلورائڈ

(36) ذیل میں سے کس گیس کو "زندگی کی ہوا" کہتے ہیں؟
(الف) کاربن ڈائی آکسائڈ (ب) نائٹروجن
(ج) آکسیجن (د) ہائیڈروجن

(37) کلوروفارم کو رنگین بوتلوں میں رکھا جاتا ہے کیوں کہ یہ ہوا اور روشنی سے عمل کرکے ایک زہریلی شے بناتا ہے۔ یہ زہریلی شے ہے:
(الف) فاسجین (ب) ڈی ڈی ٹی

(ج) کاربن مونو آکسائیڈ (د) ان میں سے کوئی نہیں

(38) ہنسانے والی گیس ہے:

(الف) نائٹرس آکسائڈ (ب) امونیا

(ج) ہائیڈروجن سلفائڈ (د) ہائیڈروجن کلورائڈ

(39) پیاز اور لہسن میں بدبو مندرجہ ذیل کی وجہ سے ہوتی ہے:

(الف) سوڈیم (ب) پوٹیشیم

(ج) کلورین (د) لیتھیم

(40) ریفریجریٹر میں پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے استعمال ہونے والی گیس ہے:

(الف) کلورین (ب) آکسیجن

(ج) ہائیڈروجن (د) امونیا

(41) پانی کو صاف کیا جاتا ہے:

(الف) امونیا کے ذریعے (ب) کلورین کے ذریعے

(ج) ہائیڈروجن کے ذریعے (د) آکسیجن کے ذریعے

(42) فوٹوگرافی میں استعمال ہونے والی شے ہے:

(الف) سلور برومائڈ (ب) سوڈیم کلورائڈ

(ج) سوڈیم ہائیڈروکسائڈ (د) امونیم نائٹریٹ

(43) تمباکو میں زہریلی چیز ہوتی ہے:

(الف) نکوٹین (ب) اسپرین

(ج) فاسکل (د) گریفائٹ

(44) مصنوعی بارش کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے:

(الف) سلور برومائڈ (ب) امونیم نائٹریٹ

(ج) سلور آیوڈائڈ (د) مندرجہ بالا سبھی

(45) کانچ پر لکھنے کے لیے مندرجہ ذیل ایسڈ کا استعمال کیا جاتا ہے:

(الف) سلفورک ایسڈ (ب) ہائیڈروجن فلورائڈ ایسڈ

(ج) نائٹرک ایسڈ (د) ہائیڈروجن کلورائڈ

(46) دانتوں اور ہڈیوں میں موجود رہتا ہے۔

(الف) کیلشیم کلورائڈ (ب) کیلشیم فاسفیٹ

(ج) کیلشیم برومائٹ (د) کیلشیم ہائڈرا آکسائڈ

(47) کھانے کو پکاتے وقت سب سے زیادہ ضائع ہوتا ہے:

(الف) چکنائی (ب) وٹامن

(ج) کاربوہائڈریٹ (د) پروٹین

(48) کیتلی میں پانی کو ابالنے پر اس کی اندرونی سطح پر کس کی سفید تہہ جم جاتی ہے؟

(الف) کیلشیم اور میگنیشیم کاربونیٹ (ب) کیلشیم کلورائڈ

(ج) سوڈیم کلورائڈ (د) میگنیشیم کلورائڈ

(49) دودھ کھٹا ہو جاتا ہے:

(الف) ایسٹک ایسڈ سے (ب) ایسکاربک ایسڈ سے

(ج) نائٹرک ایسڈ سے (د) لیکٹک ایسڈ سے

(50) وہ جز جس کا ایٹمی شمار اور ایٹمی وزن یکساں ہوتا ہے:

(الف) آکسیجن (ب) لیتھیم

(ج) کلورین (د) ہائیڈروجن

(51) آٹے میں کھانے والا سوڈا ملایا جاتا ہے کیوں کہ:

(الف) اس سے روٹیاں مزے دار ہو جاتی ہیں۔

(ب) آٹے کو گوندھنے میں کم پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ج) کھانے والا سوڈا کاربن ڈائی آکسائڈ آزاد کر دیتا ہے جس سے روٹیاں پھول جاتی ہیں۔

(د) سبھی سچ ہیں۔

(52) دھواں ہے:

(الف) ٹھوس کا محلول میں ملنا (ب) محلول کا محلول میں ملنا

(ج) ٹھوس کا گیس میں ملنا (د) گیس کا محلول میں ملنا

(53) سمندری پانی سے نمک مندرجہ ذیل طریقے سے تیار کیا جاتا ہے:

(الف) کشید (Distillation)

(ب) تبخیر (Evaporation)

(ج) بلوری (Crystalization)

(د) تصعیدی (Sublimation)

(54) زمین کی اوپری سطح میں پایا جانے والا جز ہے:

(الف) سوڈیم (ب) لیتھیم

(ج) ہائیڈروجن (د) آکسیجن

(55) ہوا میں کس گیس کی مقدار سب سے زیادہ ہوتی ہے؟

(الف) آکسیجن کی (ب) کاربن ڈائی آکسائڈ کی

(ج) نائٹروجن کی (د) کلورین کی

(جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں)

□□□

C/o 114 E, Mahanadi Hostel,
JNU, New Delhi-110067

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں

اپریل تا جون 2002

پروگرام کمیٹی کا اجلاس

قومی اردو کونسل کی "پروگرام کمیٹی" ایک Statutory Standing Committee ہے۔ کونسل کے سبھی علمی پروجیکٹ اور پروگرام اس کمیٹی کی تائید و توثیق سے عمل میں آتے ہیں۔ کمیٹی کے صدر جناب محمد یوسف ٹینگ اور اراکین جناب گلزار، پروفیسر قمر جہاں، پروفیسر صغرا مہدی، ڈاکٹر علی احمد فاطمی اور ڈاکٹر اسپنید ناشر اہیں۔

پروگرام کمیٹی کی ایک میٹنگ 16 اپریل کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں منعقد ہوئی جس میں مندرجہ بالا اراکین کے علاوہ قومی اردو کونسل کے نائب چیئرمین پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر گنگا پرساد وِمل، پروفیسر سید جعفر رضا، ڈاکٹر شیمار ضوی اور سید شاہ نورالحق قادری نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

مباحث کا آغاز کرتے ہوئے اجلاس کے کنوینر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے کونسل کے ترقیاتی منصوبوں پر روشنی ڈالی اور اردو زبان و ادب کی تاریخ، کلیاتِ پریم چند، کلیاتِ میر اور اردو انسائیکلوپیڈیا پروجیکٹوں میں ہوئی پیش رفت کا خصوصی طور پر ذکر کیا۔

کمپیوٹر تربیت کے مراکز قائم کرنے کے پروجیکٹ کی ستائش کرتے ہوئے سبھی اراکین نے اس بات پر اتفاق ظاہر کیا کہ ان مراکز کا قیام فروغ اردو کی پالیسیوں میں ایک بے حد اہم قدم ہے، نیز یہ کہ کمپیوٹر تعلیم تک متوسط اور نچلے متوسط طبقے کی رسائی ممکن بنا کر کونسل نے اردو داں لوگوں کی نظر میں بلند مقام حاصل کیا ہے۔ میٹنگ کے ایجنڈے میں ڈوکیومینٹیشن سینٹر قائم کرنے اور ماس کمیونی کیشن میں ڈپلوما شروع کرنے کی تجویزوں کے علاوہ اردو رسم خط میں سرٹیفکیٹ کورس کا جائزہ اور سماجی علوم میں تحقیق کے لیے فیلو شپ جاری کرنے کی تجاویز شامل تھیں۔

ڈاکٹر اے آر فتیحی کی تحریک پر ڈوکیومینٹیشن سینٹر قائم کرنے کی تجویز کمیٹی نے اصولی طور پر منظور کرلی۔ پروجیکٹ کی جزئیات اور تفصیلات طے کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی کے قیام کا مشورہ دیا گیا جس کی سفارش پر بجٹ کے لیے تجویز فائنانس کمیٹی کے سامنے پیش کی جائے گی۔

ماس کمیونی کیشن میں ڈپلوما کی تجویز پر کمیٹی کی رائے یہ تھی کہ ابتدا میں مکمل کورس شروع کرنے کے بجائے پرنٹ میڈیا کا قلیل مدتی کورس (Short Term Course in Print Media) شروع کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کے تحت اردو اخباروں میں کام کر رہے صحافیوں کو قلیل مدتی تربیت فراہم کی جاسکتی ہے۔ کورس کی جزئیات اور ڈھانچہ طے کرنے کے لیے کمیٹی نے ماہرین کی میٹنگ منعقد کرنے کی سفارش کی۔

اردو رسم خط کے سرٹیفکیٹ کورس کے حوالے سے یہ طے ہوا کہ اس کورس میں داخلہ لینے والے شائقین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر کورس کو صرف کونسل میں مرکوز نہ کیا جائے بلکہ اس کے مراکز مختلف جگہوں سے کام کریں۔ رسم خط کا کورس مکمل کرنے والے طلبہ کی ضروریات کو ذہن میں رکھ کر ان کے لیے اردو زبان و ادب کا ایک ڈپلوما کورس شروع کرنے کی تجویز بھی زیرِ غور آئی جس کی جزئیات ایک سب کمیٹی طے کرے گی۔ اردو شاعری اور نثر کے انتخابات اس کورس کا بنیادی جز ہوں گے۔ صحیح تلفظ کی پہچان اور معیاری اردو سکھانے کے لیے آڈیو کیسٹ بھی اس کورس کا حصہ ہوں گی۔

ڈوکیومینٹیشن سینٹر کھولنے سے متعلق تجاویز

اردو کا وقیع ادبی سرمایہ ملک بھر میں، بلکہ بیرونی ممالک میں بھی مختلف لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں میں بکھرا پڑا ہے۔ اس سرمایے کے بارے میں، جس میں نادر مخطوطات اور بیش قیمت کلاسکی کتب شامل ہیں، کوئی جامع جانکاری کسی ایک جگہ مہیا نہیں اور نہ ہی اب تک کسی نے ان کی فہرست یا کیٹلاگ تیار کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ تحقیق کے لیے ادبی سرمایے تک رسائی کی اوّلین شرط ان علمی ذخائر کی موجودگی کی جانکاری ہے۔ اس لیے ایک ایسے ادارے کے قیام کی اشد ضرورت ہے جو اردو تحقیق اور حوالہ جاتی مواد کے کیٹلاگ تیار کرے اور اس مواد تک رسائی میں معاون ہو۔ اس عظیم الشان کام کے لیے جدید ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر سافٹ ویئر کا بھی سہارا لینا ہوگا۔ کام کی اہمیت کے مدِنظر کونسل ایک ایسے ہی مرکز کے قیام پر غور کر رہی ہے جس کے لیے مختلف موضوعات سے تعلق رکھنے والے ماہرین، فہرست سازوں، سوانح نگاروں، لائبریرین، اور ڈوکیومینٹیشن کرنے والے ماہرین کی معلومات اور تجربات سے استفادہ کیا جائے گا۔

اس سینٹر کے قیام کے سلسلے میں ایک اہم میٹنگ 29 مئی کو انڈیا انٹر نیشنل سینٹر میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس میں جناب فدا عابدی (لائبریرین سالار جنگ میوزیم، حیدر آباد)، جناب ایم علی (اسسٹنٹ لائبریرین، اردو، جے این یو)، ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری (ڈائرکٹر خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ)، جناب ابو سعد اصلاحی (اسسٹنٹ لائبریرین، رضا لائبریری، رام پور)، جناب ایم اے پردھانی (چیف لائبریرین جامعہ ہمدرد لائبریری، دہلی)، ڈاکٹر بنواری لال (ڈائرکٹر دہلی پبلک لائبریری)، مسز ذکیہ سلطانہ (اسسٹنٹ لائبریرین اردو، نیشنل لائبریری کولکاتا)، ڈاکٹر جمال عبدالواحد (دہلی)، پروفیسر نثار احمد فاروقی، جناب انور معظم (ڈائرکٹر اردو، ریسرچ سینٹر، حیدر آباد) ڈاکٹر ایس کے کول (ڈائرکٹر Dolnet، انڈیا انٹر نیشنل سینٹر، نئی دہلی)، مسز ٹی سوندھی (نمائندہ یونیسکو، نئی دہلی)، مسٹر عطا خورشید (مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ) اور ڈاکٹر غیاث مخدومی (چیف لائبریرین، جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے اس میٹنگ میں شرکت کی۔ ماہرین نے مرکز کے قیام پر کافی غور وخوض کے بعد درج ذیل تجاویز پیش کیں:

- مرکز کا نام "قومی اطلاعاتی مرکز برائے اردو، عربی، فارسی تحقیقی اور حوالہ جاتی مواد" (National Information Centre for Urdu, Arabic, Persian Research & Reference Material) ہوگا۔ اس مرکز کا مقصد تحقیق سے متعلق ہر قسم کی اطلاعات فراہم کرنا ہوگا۔
- ابتدا میں ہندستان کے تمام اہم اور بڑے کتب خانوں، انجمنوں اور اداروں میں موجود مخطوطوں اور مسودوں کا سروے کرلیا جائے اور انھوں نے اب تک جو بھی ڈوکومینٹیشن کیا ہے، اس کا جائزہ لیا جائے۔
- اس سروے میں مخطوطات کی قدامت اور ظاہری حالت کا بھی جائزہ لیا جائے تاکہ اس کی بنیاد پر ان کی فہرست سازی، معلومات کی کمپیوٹر اور ویب پر فراہمی اور ان کے تحفظ کے لیے اقدامات کیے جاسکیں۔ اس سروے کے لیے ایک مناسب پلان تیار کیا جائے۔
- سروے کے دوسرے مرحلے میں کم معروف اداروں اور ذاتی کتب خانوں میں موجود ذخیرۂ کتب کا جائزہ لیا جائے۔
- اردو مخطوطات کی فہرست اور اشاریے پر مشتمل ایک مینول تیار کیا جائے۔
- ہندستانی اور بیرونی ممالک کے ان تمام اہم اداروں سے جو مخطوطات اور کتب کی فہرست سازی اور تحفظ سے متعلق ہیں، قومی اردو کونسل رابطہ قائم کرے اور ان کے ماہرین سے رہنمائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تکنیکی اور مالی تعاون حاصل کرے۔
- مخطوطات کے تحفظ سے متعلق وزارت ثقافت، انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز اور CSL کے پروجیکٹوں کو پھر سے شروع کرلیا جائے۔
- ہندستان بھر کی یونی ورسٹیوں میں جاری اردو تحقیق کے موضوعات کی فہرست سازی ہو۔
- سافٹ ویئر بنانے میں یونیسکو سے مدد لی جائے۔ کمپیوٹر اور ویب پر سافٹ ویئر کے یونی ورسل اطلاق کے مدنظر مائکرو سافٹ کمپنی سے بھی یہ سافٹ ویئر بنانے کی بات کی جاسکتی ہے۔
- ماہرین کی ایک میٹنگ انڈیکسنگ اور تکنیکی امور طے کرنے کے لیے منعقد کی جائے اور مرکز کا ایک بلو پرنٹ بھی تیار کیا جائے۔

اردو پریس پروموشن کمیٹی کی میٹنگ

اردو اخبارات کے مسائل پر مجموعی طور پر نظر رکھنے اور ان کے حل تلاش کرنے کے لیے میکنزم کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے قومی اردو کونسل نے اردو صحافت کے فروغ کی کمیٹی (Urdu Press Promotion Committee) تشکیل دی ہے جس کا مقصد اردو اخبارات کے معیار کو بہتر کرنے کے لیے سہولتیں فراہم کرنا اور ان پر غور وخوض کرکے تجاویز پیش کرنا ہے۔ اردو پریس پروموشن کمیٹی کی ایک میٹنگ انڈیا انٹر نیشنل سینٹر میں منعقد ہوئی جس میں کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر گوپی چند نارنگ، کمیٹی کے صدر جناب احمد سعید ملیح آبادی اور اراکین جناب من موہن شرما (مدیر پنجاب کیسری)، جناب صوفی غلام محمد (مدیر سری نگر ٹائمز)، جناب ماجد حسین (مدیر اردو ایکشن، بھوپال)، جناب نفیس احمد (انچارج اردو نیوز، یو این آئی)، جناب ایس ایم آصف (مدیر ان دنوں، دہلی) اور جناب زاہد فاروقی (سب ایڈیٹر پرتاپ، نئی دہلی) نے شرکت کی۔

میٹنگ میں یو این آئی اردو سروس کا خریدار بننے کے لیے تیار کی گئی ڈرافٹ اسکیم پر غور وخوض کے بعد اس میں ترمیم واضافے کیے گئے۔ یہ بھی سفارش کی گئی کہ نظر ثانی شدہ نرخ نامے کا اطلاق یکم اپریل 2002 سے کیا جائے اور اس کے مطابق اب تک کی کل رقم پر واجب سبسڈی قومی اردو کونسل یو این آئی کو دے۔ یہ تجویز بھی پیش ہوئی کہ ٹیکنالوجیکل سہولتوں کے لیے اردو اخبارات اپنی اپنی ریاستی حکومتوں سے رجوع کریں تاکہ اس سلسلے کے تمام مصارف اکیلے اردو اخبارات کو برداشت نہ کرنا پڑیں اور اپنے اپنے علاقے کے اخباروں کی ترقی میں ان کی حکومتوں کا بھی کوئی رول ہو۔

یو این آئی کے نمائندگان نے اس جانب توجہ دلائی کہ اگر یو این آئی کی اردو سروس کے خریدار سبھی (45) اخبارات کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے وابستہ

ہو جائیں تو کئی بار خبریں موصول نہ ہونے کے سبب بار بار خبریں جاری کرنے کی غیر ضروری کسرت سے نجات مل جائے گی۔ بجلی نہ ہونے یا ٹیلی پرنٹر خراب ہونے سے فی الوقت جو خبریں ان کی دسترس سے باہر ہو جاتی ہیں، کمپیوٹر کی مدد سے ان خبروں کی بازیافت کسی بھی وقت ممکن ہو سکے گی۔ اس سلسلے میں یہ تجویز رکھی گئی کہ ٹیکنالوجیکل ترقی (کمپیوٹر، سافٹ ویئر اور پرنٹر وغیرہ کی فراہمی) کے لیے وزارات برائے فروغ انسانی وسائل سے رجوع کر کے یک مشت تعاون کی درخواست کی جائے۔ یو این آئی سروس کی توجہ اس جانب بھی دلائی گئی کہ ان کی اردو سروس میں اسٹاف کی کمی کے سبب خبریں بروقت نشر نہیں ہو پاتی ہیں، اس لیے یو این آئی اس نقص پر قابو پانے کے سلسلے میں اپنے مرکزی آفس کو مستحکم کرے۔

"انسائیکلو پیڈیا، ہسٹری اینڈ ریفرنس ورکس" پینل کی میٹنگ

اردو زبان و ادب کی ترویج و فروغ قومی اردو کونسل کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے جس کے لیے کونسل نے کئی پینل تشکیل دیے ہیں۔ یہ پینل علم و ادب کے مختلف میدانوں میں سرگرم عمل ہیں۔ کونسل نے حال ہی میں انسائیکلو پیڈیا، تواریخ اور حوالہ جاتی مواد کا پینل تشکیل دیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا پر جاری کام کی نگرانی اب یہی پینل کرے گا۔ اس پینل کی پہلی میٹنگ 29 رمئی کو نئی دہلی میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں ہوئی۔ اس میں پروفیسر وہاب اشرفی، پروفیسر سیّد جعفر رضا، پروفیسر حنیف کیفی، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، ڈاکٹر بیگ احساس اور ڈاکٹر اے آر فتیحی شریک ہوئے۔ کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ میٹنگ کے کنوینر تھے۔ میٹنگ میں درج ذیل پروجیکٹوں پر گفتگو ہوئی اور ان پر فیصلے لیے گئے۔

جامع اردو انسائیکلو پیڈیا:

جامع اردو انسائیکلو پیڈیا کو 11 جلدوں میں شائع کرنا طے ہوا تھا جس کی ابتدائی تین جلدوں میں مفصّل نوشتے اور بقیہ آٹھ جلدوں کو مختصر نوشتوں کی صورت میں شائع کرنے کا منصوبہ تھا۔ اس پروجیکٹ کو انسائیکلو پیڈیا کولمبیا کے طرز تیار کرنا قرار پایا تھا لیکن ایسے ماہرین کی کمی کے سبب جو انگریزی اور اردو پر یکساں دسترس رکھتے ہوں، یہ طے کیا گیا کہ سائنس اور انجینئری جیسے مضامین کے نوشتے انسائیکلو پیڈیا کولمبیا سے ترجمہ کر لیے جائیں۔

میٹنگ میں یہ بھی طے ہوا کہ ماہرین کی ایک میٹنگ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں منعقد کر کے نوشتوں کی ایڈیٹنگ اور اپ ڈیٹنگ وغیرہ کے اصول متعین کیے جائیں۔

اردو زبان و ادب کی تاریخ:

"اٹھارھویں صدی میں اردو نثر" پر مشتمل چھٹی جلد پروفیسر ظفر احمد صدیقی ترتیب دے رہے ہیں۔ ان کے تیار کردہ مواد کو ویٹنگ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ شاعری پر مشتمل ساتویں جلد پر پروفیسر سیّد جعفر رضا کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ابھی اس جلد پر کام جاری ہے۔ کام کو جلد از جلد نمٹانے کی درخواست ان سے کی گئی۔

انیسویں صدی کے ادب پر مشتمل نویں اور دسویں جلد کو پروفیسر انصار اللہ مرتب کر رہے ہیں۔ انھوں نے ایک جلد مکمل کر کے کونسل کے حوالے کر دی ہے، دوسری جلد پر کام جاری ہے۔ بیسویں صدی کے ادب کو محیط دسویں اور گیارھویں جلدوں پر کام شروع نہیں ہو سکا ہے۔

کتابوں کی اشاعت سے متعلق بھی اہم فیصلے کیے گئے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی سے درخواست کی گئی کہ وہ عہدِ غالب پر ایک کتاب مرتب کر دیں۔ کلیات پریم چند کی تمام جلدوں کی اشاعت دسمبر 2002 تک مکمل کرنے کی تاکید کونسل کو کی گئی۔ مرزا اسلامت علی دبیر کی حیات اور کارناموں پر کتاب کو دسمبر 2002 تک مکمل کرنے کی درخواست پروفیسر زماں آزردہ سے کی گئی۔ پروفیسر حنیف کیفی اور ڈاکٹر مسعود ہاشمی سے یہ درخواست کرنے کا فیصلہ ہوا کہ وہ بیس ہزار الفاظ پر مشتمل ایک لغت کالج سطح کے طلبہ کے لیے مرتب کر دیں۔ پروفیسر حنیف کیفی کی کتاب "اردو کی نظم معرّیٰ اور نظمِ آزاد" کی اشاعتِ نو کا بھی فیصلہ ہوا۔ مغرب کے مابعد جدید مفکرین اور مصنفین پر ایک کتاب مرتب کرنے کی درخواست پروفیسر وہاب اشرفی سے کی گئی۔ اس کتاب میں سوانحی خاکے شامل ہوں گے۔ پروفیسر قاسمی سے کلیات رشید احمد صدیقی کو ترتیب دینے کی درخواست کی گئی۔ فاصلاتی تعلیم کی تین کتابوں (اردو شاعری کا انتخاب، انٹروڈکٹری اردو گرامر ہندی میں اور Reading in Literary Urdu Prose کی مشق کی کتاب) کو جلدی شائع کرنے کی تاکید کی گئی۔ فورٹ ولیم کالج کی دستاویزات کی اشاعت پر بھی زور دیا گیا۔ آخر میں شکریے کی تحریک پر میٹنگ ختم ہوئی۔

لسانیات اور سماجی لسانیات پینل کی تشکیل

نو تشکیل شدہ لسانیات اور سماجی لسانیات پینل کی پہلی میٹنگ پروفیسر او این کول کی صدارت میں 19 جون کو نئی دہلی میں منعقد ہوئی۔ میٹنگ میں پروفیسر گوپی چند نارنگ، نائب چیئرمین قومی اردو کونسل نے بھی شرکت کی۔ کنوینر ڈاکٹر اے آر فتیحی تھے۔ اراکین کے طور پر پروفیسر اے کے سنہا، پروفیسر آر سی شرما اور پروفیسر رویندر گرگیش شریک ہوئے۔ میٹنگ میں

درج ذیل امور زیر بحث آئے اور ان پر فیصلے ہوئے:

قومی اردو کونسل کی شائع کردہ فرہنگِ اصطلاحات لسانیات پر نظر ثانی کی جائے اور اس کے لیے ڈیوڈ کرسٹل (David Crystal) کی فرہنگ کے جدید ایڈیشن سے رہ نمائی حاصل کی جائے۔ انگریزی، اردو اور دیوناگری میں ایک پاکٹ ڈکشنری اور ہندی اردو کی ذولسانی ڈکشنری بنانے کے علاوہ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ کالج سطح کی ایک اردو لغت بھی تیار کی جائے جس میں تقریباً بیس ہزار الفاظ کو جگہ ملے۔

قومی اردو کونسل کے ایک پروجیکٹ "کثیر لسانی ہندستان میں اردو" پر ڈاکٹر اے آر فتیحی کام کر رہے ہیں۔ اس کے پہلے مرحلے کے کام کی رپورٹ انھوں نے پینل کے سامنے پیش کی جس پر شرکا نے اظہار اطمینان کیا اور اس بات کا مشورہ دیا کہ دوسرے مرحلے میں ملک گیر سطح کی شہری اردو آبادی کا تفصیلی مطالعہ شامل کیا جائے۔ جبکہ تیسرے اور چوتھے مرحلے میں دوسری زبانوں کے ساتھ اردو کے رشتوں کا تجزیاتی مطالعہ شامل ہو۔

"اردو کی لسانی تاریخ کا تنقیدی جائزہ" اور "لفظ سازی" موضوعات پر جامع کتب لکھوانے نیز R. Wardaugh کی کتاب Socio-Linguistics کو اردو میں ترجمہ کرانے کا بھی فیصلہ ہوا۔ لسانیات پر ایک تعارفی کتاب کی اشاعت کو بھی ناگزیر قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ دنیا کے معروف ماہرینِ لسانیات پر تعارفی کتابچے شائع کرنے کی بھی تجویز رکھی گئی جسے منظور کر لیا گیا۔ پروفیسر اے کے سنہا نے نوم چومسکی کے بارے میں کتاب لکھنے پر رضامندی ظاہر کی۔ ڈاکٹر اے آر فتیحی نے درخواست کی گئی کہ وہ مسابقتی امتحانات میں حصہ لینے والے اردو طلبہ کی ضرورتوں کے پیشِ نظر لسانیات پر ایک جامع کتاب تیار کر دیں۔

عوامی ترسیل و ابلاغ کی اصطلاحات پر ورک شاپ

مختلف علوم کی اردو میں منتقلی کے لیے قومی اردو کونسل جو عملی اقدام کر رہی ہے ان میں بیش تر علوم اور مضامین کی اردو اصطلاحات کی اشاعت بھی شامل ہے تاکہ ان کے رواج سے مختلف موضوعات پر لکھی گئی اردو کتابوں یا دوسری زبانوں سے اردو تراجم کے دوران اصطلاحات میں یکسانیت ہو اور زبان کی لغت وسعت پذیر ہو۔ کونسل نے اب تک انسانیات، حیوانیات، تاریخ و سیاسیات، نباتیات، معاشیات، سیاسیات، لسانیات اور کامرس کی اصطلاحات کی فرہنگیں شائع کر دی ہیں۔

ماس کمیونیکیشن اور ماس میڈیا کی اصطلاحات کے پینل کا ساتواں ورک شاپ 8 تا 12 / اپریل 2002 کے دوران اور آٹھواں ورک شاپ 13 تا 17 / مئی کے دوران جناب جی ڈی چندن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ دہلی سے ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، جناب محمود ہاشمی اور علی گڑھ سے ڈاکٹر شافع قدوائی نے اراکین کے طور پر شرکت کی۔ یہ ورک شاپ ڈاکٹر اے آر فتیحی پرنسپل پبلی کیشن آفیسر کی کنوینر شپ میں منعقد ہوا۔

ساتویں پانچ روزہ ورک شاپ میں تقریباً 1017 اصطلاحات پر نظر ثانی کی گئی اور آٹھویں ورک شاپ میں 1047 اصطلاحوں پر نظر ثانی کے بعد انھیں اشاعت کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس ورک شاپ کے خاتمے کے ساتھ عوامی ترسیل و ابلاغ کی اصطلاحات تیار کرنے کا کام پورا ہو چکا ہے۔ اصطلاحات کے اس کتابچے میں تین ہزار انگریزی الفاظ کی اردو مصطلحات شامل ہیں۔

شماریات کی اصطلاحات پر نظر ثانی

شماریات (Statistics) کی اصطلاحات کا پروجیکٹ ترقی اردو بورڈ نے شروع کیا تھا۔ یہ پروجیکٹ ادھورا تھا جس کو پورا کرنے کے لیے کونسل نے پروفیسر سراج الرحمان کی صدارت میں ایک پینل تشکیل دیا ہے۔ پروفیسر رحمان علی گڑھ یونی ورسٹی میں Department of Statistics & Operational Research کے چیئرمین ہیں۔ پینل کا پہلا ورک شاپ 22 تا 25 / اکتوبر 2001 میں ہوا تھا جس میں 1700 اصطلاحات پر نظر ثانی کی گئی تھی۔ اس کمیٹی کا دوسرا اجلاس 27 تا 30 / اپریل 2002 کو پروفیسر سراج الرحمان کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں علی گڑھ سے پروفیسر محمد زبیر خاں، ڈاکٹر حسن متین الاسلام، ڈاکٹر فضل مہدی اور دہلی سے سید مرغوب احمد نے اراکین کے طور پر اور قومی اردو کونسل کے پرنسپل پبلی کیشن آفیسر ڈاکٹر اے آر فتیحی نے کنوینر کے طور پر شرکت کی۔ محترمہ مسرت جہاں بھی ورک شاپ میں شامل رہیں۔ اس چار روزہ ورک شاپ میں نو سو اصطلاحات پر نظر ثانی کی گئی۔ اس طرح اب تک منتخب شدہ اصطلاحات کی تعداد 1600 تک پہنچ چکی ہے۔

ریاستی اردو اکادمیوں کی رابطہ کمیٹی کی میٹنگ

اردو کے فروغ کے لیے حکومتِ ہند کی پالیسی کے موثر نفاذ میں ریاستی اردو اکادمیوں سے اشتراک کی اہمیت مسلّم، اور ایک مشترکہ حکمتِ عملی ناگزیر ہے۔ کونسل یہ محسوس کرتی ہے کہ ریاستی اردو اکادمیوں نے اپنے محدود وسائل سے اردو ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ملک میں اس وقت 14 اردو اکادمیاں ہیں۔ ان کے باہمی اشتراک اور مشترکہ لائحۂ عمل

اختیار کرنے سے اردو کے فروغ کا کام زیادہ موثر ڈھنگ سے اور وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے۔

اردو اکادمیوں کے باہمی رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیے قومی اردو کونسل نے ریاستی اردو اکادمیوں کی رابطہ کمیٹی تشکیل دی ہے جس کے تحت ہر سال اردو اکادمیوں کا مشترکہ اجلاس منعقد کیا جاتا ہے۔ اس اجلاس میں سبھی اکادمیاں اپنی اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کرنے کے علاوہ آئندہ کے لیے لائحۂ عمل بھی مرتب کرتی ہیں۔ گذشتہ چار سال میں اس مشترکہ حکمتِ عملی کے مثبت نتائج سامنے آئے ہیں اور فروغ اردو کے کئی پروجیکٹوں کا کام نمایاں طور پر آگے بڑھا ہے۔

اردو اکادمیوں کی رابطہ کمیٹی کی ایک میٹنگ 17 اپریل 2002 کو قومی اردو کونسل کے دفتر میں سید شاہ نورالحق قادری، صدر آندھرا پردیش اردو اکادمی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اراکین کے طور پر ڈاکٹر سید صفی اللہ (نائب صدر، تمل ناڈو اردو اکادمی)، جناب عبدالسلام خاں (سکریٹری، اڑیسہ اردو اکادمی) اور جناب معظم علی (سکریٹری، راجستھان اردو اکادمی) نے شرکت کی۔ میٹنگ کے کنوینر ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ (ڈائرکٹر قومی اردو کونسل) تھے۔

ریاستی اردو اکادمیوں کی تیسری کانفرنس (منعقدہ جے پور) میں جو سفارشات منظور کی گئی تھیں ان کے عملی نفاذ کا جائزہ لیا گیا۔

قومی اردو کونسل کی اس تجویز کی متفقہ طور پر تائید کی گئی کہ اکادمیوں کے مابین باہمی ربط اور آہنگی کو مضبوط کرنے کی غرض سے اکادمیوں کے کام کاج، اصول و ضوابط اور سکریٹری کی مدت کار 5 برس مقرر کی جائے تاکہ اکادمیوں کی کارکردگی میں تسلسل پیدا ہو سکے۔

قومی اردو کونسل ان انفرادی تعلیمی پروجیکٹوں کو منظور کر کے مالی امداد فراہم کرے گی جو ریاستی اردو اکادمیوں کے ذریعے کونسل کو موصول ہوں گے۔

قومی اردو کونسل سرٹیفکیٹ کورس ان اردو اسکرپٹ کے مراکز ان اکادمیوں میں کھولنے کی اجازت دے گی جو اس کی خواہاں ہوں گی لیکن یہ سرٹیفکیٹ قومی اردو کونسل ہی کی جانب سے جاری ہوں گے۔

قومی اردو کونسل اس بات کی بھی خواہاں ہے کہ ریاستی اردو اکادمیوں کو مرکزی حکومت کی جانب سے مخصوص اسکیموں کے لیے مالی امداد فراہم کی جائے۔ اردو اکادمیاں جو پیسہ کتابوں کی خریداری، مسودات کی مالی معاونت، جزوقتی اساتذہ برائے اردو، علمی و ادبی پروجیکٹ وغیرہ پر خرچ کرتی ہیں، ان میں قومی اردو کونسل ان کی معاونت کرے گی بشرطیکہ کونسل کی اسکیموں کے تحت ان کا مطالبہ کیا جائے۔

مراسلاتی کورس مانیٹرنگ کمیٹی کی میٹنگ

اردو رسم خط سکھانے کا جو ششماہی کورس کونسل نے گذشتہ دنوں شروع کیا تھا اس میں داخلہ لینے والے ملک گیر سطح پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ کورس ان لوگوں کے لیے شروع کیا گیا ہے جو شمالی ہندستان کی اہم زبانیں مثلاً ہندی یا اردو بولنا جانتے ہیں اور صرف رسم خط سیکھ کر اردو کو بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کورس سے اب تک تین ہزار سے زیادہ طلبہ استفادہ کر چکے ہیں۔ کورس کے دوسرے مرحلے میں اب تک 2 ہزار طلبہ رجسٹریشن کرا چکے ہیں۔ بڑھتی ہوئی مقبولیت کو مدنظر کورس کو مزید وسعت دینے کے بارے میں غور کیا جا رہا ہے تاکہ ایک سال کا کورس مکمل کر کے طالب علم اردو زبان میں اچھی خاصی مہارت بھی حاصل کر لے اور ضرورت پڑنے پر وہ سرٹیفکیٹ کا استعمال بھی کر سکے۔

پروجیکٹ کی ریویو کمیٹی کی میٹنگ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں 16 اپریل کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں منعقد ہوئی جس میں پروفیسر حنیف کیفی، ڈاکٹر چندر شیکھر، ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ اور ڈاکٹر اے آر فتیحی نے شرکت کی۔ کونسل کے کارکنان میں محترمہ تبسم نقی اور ڈاکٹر کلیم اللہ موجود تھے۔

میٹنگ میں رسم خط کے موجودہ کورس کو بغیر کسی ردوبدل کے جاری رکھنے کا فیصلہ ہوا اور اردو زبان سکھانے کا ڈپلوما کورس شروع کرنے کے بارے میں غور و خوض ہوا۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی مرتبہ کتاب Radings in Literary Urdu Prose اور اردو شاعری کا انتخاب اس کے نصاب کا حصہ ہوں گے۔ سیکھنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر کورس کو decentralize کرنے کا بھی فیصلہ ہوا۔

کیلی گرافی اینڈ گرافک ڈیزائن کی نصابی کتاب تیار

خطاطی اور کتابت ہمارا اہم ورثہ ہے جس نے ماضی میں ہندستانی ثقافت کو بہترین آرٹسٹ اور فن کار دیے ہیں، لیکن موجودہ دور کے ٹکنالوجیکل نظام میں اس فن کی اہمیت کم ہونے سے اس کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ خطاطوں اور کاتبوں کے لیے روزگار کے مواقع میں بھی بے حد کمی آئی ہے۔ اس فن کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے کونسل نے کیلی گرافی یا کتابت کے فن کو جدید گرافک ڈیزائنگ کے ساتھ شامل کر کے تربیتی کورس شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ نہ صرف اس قدیم فن کی حفاظت کی

جاسکے بلکہ کاتبوں اور خطاطوں کو روزگار کے باوقار مواقع بھی ملیں۔

طلبہ ٹریننگ کے علاوہ کورس کے لیے نصابی کتابیں تیار کی جارہی ہیں جن میں تھیوری میں کورس کے تمام مشمولات کا احاطہ ہوگا۔ طلبہ کے لیے ورک بک پر بھی کام کیا جارہا ہے۔

قومی اردو کونسل میں 18 تا 20 راپریل 2002 کو سہ روزہ ورک شاپ منعقد کیا گیا۔ یہ ورک شاپ خطاطی (برائے سال دوم) کی نصابی کتاب کی تیاری کے لیے کیا گیا تھا جس میں جناب خورشید عالم (ٹونک)، جناب انیس صدیقی، جناب محمد جیلانی قاسمی، جناب فیروز عالم ہاشمی اور جناب محمد ذکیرالدین نے شرکت کی۔ کونسل کی طرف سے ورک شاپ کے کنوینر ڈاکٹر اے آر فہمی (پرنسپل پبلی کیشن آفیسر)، ڈاکٹر محمد احسن (ریسرچ اسسٹنٹ) اور ڈاکٹر محمد ارشد اقبال (ٹیکنیکل اسسٹنٹ) نے شرکت کی۔

ورک شاپ میں جناب خورشید عالم خاں کے مرتبہ مسودے پر نظر ثانی کی گئی اور مفید نکات کے مدنظر مسودے میں ترمیم و اضافہ کیا گیا۔

اردو خوشنویسی برائے سال اوّل کی نصابی کتاب میں تاریخ خطاطی اور اساتذۂ فن کے تعارف کے علاوہ خطاطی سے متعلق نظریاتی معلومات فراہم کی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ خطِ نستعلیق اور خطِ نسخ کو نئے انداز میں سکھانے کا طریقہ بتایا گیا۔

اردو خوشنویسی برائے سال دوم کی نصابی کتاب اس لحاظ سے اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہوگی کہ اس میں مزید پانچ خطوط، رقعہ، نسخ جدید، ثلث، دیوانی اور خطِ شکستہ کو نئے انداز میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ طالبِ علم بڑی دلچسپی اور آسانی کے ساتھ ان خطوط کی مشق کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں پہلی بار طباعت اور اخبار، کتاب، کتابچہ، فولڈر، فرد، رسالہ / مجلہ، پوسٹر، ہاؤس جرنل، بک لسٹ، براڈ سائڈ (Broad Sides)، سیلف میلر (Self Mailers)، لفافے، لیٹر ہیڈ، پوسٹ کارڈ یا میلنگ کارڈ (Post Card or Mailing Card) کا کار آمد اور مفید تعارف دیا گیا ہے۔

اس سے خوشنویس اور خطاط کو ان پر خوشنویسی / خطاطی کرنے میں آسانی ہوگی۔ اشتہارات پر بھی بہت سا مواد دیا گیا ہے۔ امید ہے یہ دونوں کتابیں خوشنویس / خطاط حضرات کے لیے بے حد اہمیت کی حامل ہوں گی۔

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़–ए उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of HRD, Dept. of Secondary & Higher Education, Govt. of India
West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110 066.
Ph.: 6109746, 6169416 Fax: 6108159 E-mail: urdueducation@hclinfinet.com

کتابوں کی نمائش و فروخت
آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں

موبائل وین سے اردو کتابوں کی نمائش و فروخت کے تجربے میں ہمارے اردو قارئین نے جس جوش و خروش سے کتابیں خریدیں اور کتب بینی کی روایت میں نئی روح پھونکی اس نے کونسل کے ولولے دوبالا کیے ہیں۔ اتر پردیش کی دور دراز اردو بستیوں میں آپ کے ہاتھوں تک اردو کا سرمایہ پہنچانے کے لیے یہ موبائل وین اب حسب ذیل پروگرام کے مطابق آپ کی بستی میں پہنچے گی:

15 تا 18 جولائی	لکھنؤ	29 تا 30 جولائی	رائے بریلی	9 تا 11 اگست	علی گڑھ
19 تا 20 جولائی	بارہ بنکی	31 جولائی تا 2 اگست	کانپور	12 تا 13 اگست	بلند شہر
22 تا 24 جولائی	وارانسی	4 تا 5 اگست	فرخ آباد	14 تا 15 اگست	ہاپوڑ
25 تا 28 جولائی	الٰہ آباد	6 تا 8 اگست	آگرہ		

نوٹ: شناختی کارڈ دکھانے پر اساتذہ اور طلبہ کے لیے 40% رعایت

اردو خبرنامہ

کیرل ہندی پرچار سبھا کمپیوٹر سینٹر میں جلسہ تقسیم اسناد

● ترواننت پورم، 8/جولائی۔ "تجارت کاری اور عالم کاری کے اس دور میں کمپیوٹر کی عام جانکاری حاصل کرنا ہر شخص کی زندگی میں اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس سے متعلق علوم اور مراکز کا دائرہ پوری دنیا میں روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اطلاتی ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر کی اس بڑھتی ہوئی اہمیت کے پیش نظر کیرل کے اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں کمپیوٹر سکھانے کی سہولیات فراہم کی جارہی ہیں۔ ہونہار طالب علموں کو چاہیے کہ وہ ان سہولتوں کا بھرپور فائدہ اٹھائیں اور روزگار حاصل کرنے کے مواقع میں اضافہ کریں۔" ان خیالات کا اظہار کیرل کے وزیر تعلیم جناب نال کٹو سوی نے کیا۔ قومی اردو کونسل کے تعاون سے ایک سالہ ڈپلوما کورس کمپیوٹر ایپلی کیشن اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی، کیرل ہندی پرچار سبھا کے زیر اہتمام ترواننت پورم میں چلایا جارہا ہے۔ جناب نال کٹو سوی امتحان میں پاس ہونے والے طالب علموں کو اسناد تقسیم کرنے کے لیے منعقد جلسے کا افتتاح کرنے کے بعد حاضرین سے خطاب کر رہے تھے۔

کیرل سرکار کے "سینٹر فار ڈیولپمنٹ آف اے جنگ ٹیکنالوجی" کے ڈائرکٹر ڈاکٹر اچیوت شنکر ایس نائر نے کمپیوٹر لیب کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ "اگر ایک کمپیوٹر ہارڈ ڈسک میں موجود ڈاٹا کو پرنٹ کر کے کہیں لے جایا جائے تو اس کے لیے چالیس ٹرکوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اسی طرح انٹرنیٹ میں موجود مواد کے پرنٹ آؤٹ کا انبار چار سو کلو میٹر اونچائی تک پہنچ جائے گا۔ بایو انفارمیشن ایک نئی تکنیک ہے جو بایو ٹیکنالوجی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی آمیزش سے بنی ہے۔ اس نئے شعبے میں حیران کن ایجادات کے امکانات ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس ٹیکنالوجی کی مدد سے مستقبل میں ایسے پیڑ لگائے جاسکیں جن کی مختلف شاخوں پر مختلف قسم کے پھل آئیں گے۔"

تقاریر کے سلسلے کے بعد وزیر تعلیم نے طلبہ میں اسناد تقسیم کیں۔ کیرل ہندی پرچار سبھا کے پبلی کیشن آفیسر ڈاکٹر ایم اے راودھا کرشنن پلے اور ہندی پرشکشن مہاودیالیہ کے پرنسپل ڈاکٹر مادولیکا کرشنن نے بھی خطاب کیا۔ صدر جلسہ جناب کے جی بالا کرشن پلے نے استقبالیہ خطبہ دیا۔ منتظم جلسہ پروفیسر کے کیشون نائر کے اظہار تشکر پر جلسہ ختم ہوا۔ (ڈاک سے)

اندرا اکادمی کمپیوٹر سینٹر کا سالانہ جلسہ

● دیوبند، 9/جولائی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے وابستہ اندرا اکادمی کمپیوٹر سینٹر دیوبند کے طلبہ و طالبات کی سالانہ الوداعی تقریب میں اردو کے فروغ کے لیے کمپیوٹر کو ایک موثر ذریعہ قرار دیا گیا اور ملک و ملت کی تعمیر و ترقی نیز فلاح و بہبود کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے حصول پر زور دیا گیا۔ اسلامیہ انٹر کالج میں منعقدہ اس پروقار تقریب کا اہتمام مدارس اسلامیہ، خاص طور پر دارالعلوم دیوبند کے ان طلبہ کی جانب سے کیا گیا جو علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کی تربیت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اس موقعے پر دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم مولوی نورالدین نے کمپیوٹر کی بنیاد، ایجاد اور اس کی افادیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا کہ اس دور میں کمپیوٹر ہماری زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ مولوی محمد اسرار قاسمی نے جدید ٹیکنالوجی سے دوری اور محرومی کو ملت کے زوال کا ایک سبب قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر دنیا میں کچھ کرنا ہے تو جدید ٹیکنالوجی کو اختیار کرنا ہوگا۔

اندرا اکادمی کے آرگنائزر محمد منور نے ادارے کی کارگزاری پر روشنی ڈالی اور اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ مذہبی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ میں کمپیوٹر اور جدید ٹیکنالوجی نیز دیگر علوم عصریہ سیکھنے کا شوق و جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ چند برسوں میں، مدارس عربیہ و اسلامیہ میں زیر تعلیم اور فارغ شدہ طلبہ میں کمپیوٹر کی تربیت حاصل کرنے کا رجحان تیزی کے ساتھ بڑھا ہے۔ اندرا اکادمی کے طلبہ و طالبات کی اس الوداعی تقریب میں محمد طاہر نے ایک نعت، مزاحیہ نظم اور الوداعی ترانہ پیش کیا۔ سلیم الرحمٰن نے لطائف سنائے۔ مولوی محمد احمد نے کمپیوٹر اور عہد حاضر میں اس کی ضرورت پر انگریزی میں اظہار خیال کیا۔ الوداعی تقریب کی صدارت وجاہت عثمانی اور نظامت مولوی محمد اعظم نے کی۔ اس موقع پر ادارے کے کارکنان اور طالبات نے بھی شرکت کی۔ (راشٹریہ سہارا دہلی)

اردو اکادمی سے کمپیوٹر کورس کا افتتاح

● حیدرآباد، 23/جون۔ صدر اردو اکادمی سید شاہ نورالحق قادری ایڈوکیٹ نے ایک سالہ ڈپلوما ان کمپیوٹر ایپلی کیشن اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی کورس 2002 کو چوتھے بیچ میں داخلے کے لیے آج منعقدہ انٹرنس میں 200 سے زائد طلبہ و طالبات کی شرکت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے

اسے اردو مادری زبان والوں کے لیے ایک نیک فال قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا یہ کورس اردو مادری زبان والوں کو نہ صرف کمپیوٹر کے عصری پیکیج اردو ڈی ٹی پی کی تربیت فراہم کرتا ہے بلکہ انٹرنیٹ کی بھی تربیت حاصل کرنے میں مدد بہم پہنچاتا ہے۔ ڈائرکٹر/ سکریٹری جناب ایم اے قیصر نے بتایا کہ قومی کونسل کے تین مراکز اردو اکادمی کے تحت کام کر رہے ہیں جن میں سے ایک کڑپہ اور ایک کریم نگر میں ہے، جبکہ دارالحکومت میں ایک مرکز کام کر رہا ہے۔ اب تک تقریباً 810 طلبہ و طالبات ایک سالہ کورس کی تربیت حاصل کر چکے ہیں جن میں سے اکثریت نے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کی ہے۔ اس موقع پر پی آر او حسن فرخ، اکاؤنٹس آفیسر جناب محی الدین شریف، سینئر سپروائزر جناب محمد عمر، لائبریرین جناب محمد حمید المظفر بھی موجود تھے۔ انچارج جناب محمد عبدالظہیر نے انٹرنس ٹیسٹ کے انصرام کے فرائض انجام دیے۔ انچارج کمپیوٹر مراکز اردو اکادمی، جناب احتشام الدین خرم اور جناب ارشد زبیری کے علاوہ جناب مرزا جنید بیگ، فیکلٹی ارکان محمد مبشر احمد اور محمد حبیب عباس نے ٹیسٹ کے انتظامات کی نگرانی کی۔ (منصف، حیدرآباد)

علی گڑھ میں علامہ شبلی توسیعی خطبہ

● علی گڑھ، 24 رجون۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز میں "علامہ شبلی نعمانی کی عظمت و جامعیت" پر توسیعی خطبہ پیش کرتے ہوئے شبلی اکادمی کے ڈائرکٹر مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے کہا کہ علامہ شبلی نے اسلامی تاریخ، فلسفہ اور عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ اپنی تدریسی و تصنیفی مصروفیات کے علاوہ انھوں نے ہندستانی مسلمانوں کی تعلیمی و ثقافتی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے کہا کہ علامہ شبلی نعمانی طویل عرصے تک علی گڑھ کالج میں فارسی و عربی کے پروفیسر رہے۔ سرسید سے انھیں کافی قربت تھی۔ سرسید نے شبلی کو اپنے کتب خانے سے استفادے کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔

صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز پروفیسر عبدالعلی نے اپنے استقبالیہ خطبے میں مہمان گرامی اور حاضرین کا خیر مقدم کرتے ہوئے شعبے کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا اور علامہ شبلی کی شخصیت کے بعض اہم پہلو واضح کیے۔

ناظم جلسہ ڈاکٹر ظفر الاسلام نے اپنے تعارفی کلمات میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی علمی خدمات کا مختصر تعارف کرایا اور مسلم یونی ورسٹی سے ان کے دیرینہ تعلق اور اس ادارے سے دارالمصنفین شبلی اکادمی کے روابط پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے خاص طور سے علی گڑھ سے علامہ شبلی کے گہرے تعلق کی مثالیں پیش کیں۔

خطبے کے بعد مباحثے کا بھی سلسلہ رہا۔ بحث میں حصہ لینے والوں میں بالترتیب ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، پروفیسر محمد سلیم، پروفیسر محمد عمر، پروفیسر محمود الحق، ڈاکٹر عابد رضا بیدار اور فرخ جلالی قابل ذکر ہیں۔ یہ علمی مجلس پروفیسر سید احتشام حسین ندوی کے زیر صدارت منعقد ہوئی۔ (راشٹریہ سہارا دہلی)

رائلسیما اردو کانفرنس

● حیدرآباد، 21 رجون۔ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کرنول شاخ کے زیر اہتمام ضلع پریشد کانفرنس ہال میں منعقدہ 2 روزہ رائلسیما اردو کانفرنس نے مختلف قراردادوں کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ریاست کے جن 13 اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے وہاں سختی سے عمل آوری کے لیے ضلع کلکٹروں کو ہدایت دی جائے اور اردو دوسری سرکاری زبان کمیشن تشکیل دیا جائے۔ اسکولوں اور جونیر ڈگری کالجوں کی اردو اساتذہ کی تمام مخلوعہ جائیدادوں کو پر کیا جائے، اردو میڈیم طلبہ کو نصابی کتب کی سربراہی کے علاوہ اسکالر شپ دی جائیں، ضلع ترقیاتی جائزہ کمیٹی کے اجلاسوں میں اردو زبان اور تعلیمی مسائل پر بھی تبادلہ خیال کر کے اقدامات کیے جائیں، تمام سرکاری احکامات تلگو، انگریزی کے ساتھ اردو میں بھی جاری کیے جائیں، اس کے علاوہ سرکاری دفاتر، تعلیمی اداروں، پولیس عہدیداروں کے دفاتر، پولیس اسٹیشنوں، آرٹی سی بسوں پر ضروری اطلاعات اردو زبان میں بھی تحریر کروائی جائیں۔ اس کانفرنس میں اضلاع کرنول، چتوڑ، اننت پور اور کڑپہ کے مندوبین نے شرکت کی جن میں اردو عوام، طلبہ، اساتذہ اور سرکاری ملازمین بھی شامل ہیں۔ رائلسیما اردو کانفرنس کا افتتاح مسٹر روی کمار، سکریٹری گورنمنٹ ریزیڈنشیل اسکولس سوسائٹی نے کیا اور صدارت جناب محمد جلیل پاشاہ، صدر نشین کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی نے کی۔ جناب رام نرسیا جوائنٹ ڈائرکٹر ہائیر ایجوکیشن، جگناتھ ریڈی ڈی ای او کرنول، محمد عظمت اللہ خاں سکریٹری عثمانیہ ایجوکیشنل سوسائٹی، ڈاکٹر فضل الرحمن خاں، مقبول حسین پاشاہ، احمد محی الدین اسپیشل آفیسر اردو ہائیر ایجوکیشن، غوثیہ بیگم اسپیشل آفیسر اردو اسکول ایجوکیشن، عبدالغنی، سلطان محی الدین، خواجہ میاں اور زینب بی بی وائس چیئرمین آل انڈیا ویمنس کانفرنس نے مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔

جناب محمد جلیل پاشاہ نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ تعلیمی کمیٹی اردو

زبان کی بقا و ترقی کے لیے گزشتہ 30 سال سے مسلسل جد و جہد کر رہی ہے اور اسے کامیابی بھی ملتی رہی ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کا قیام، گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج نامپلی اور حسینی علم میں اردو میڈیم ایم اے اکنامکس کا آغاز اور اردو اساتذہ کی مخلوعہ جائیدادوں پر تقررات اور روسٹر سسٹم سے مستثنیٰ کرانے میں تعلیمی کمیٹی کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔ جناب شمس الدین نے قرار دادیں پیش کیں۔ جناب محمد غوث نے کارروائی چلائی اور سید رشید احمد نے شکریہ ادا کیا۔ (سیاست، حیدر آباد)

اردو اسکولوں کے نتائج مایوس کن

● نئی دہلی، 14 رجون۔ دہلی میں اردو اسکولوں کے طالب علموں کے درجہ دہم اور درجہ دوازدہم کے نتائج انتہائی مایوس کن رہے۔ فرینڈس فار ایجوکیشن کے ایک حالیہ جائزے کے مطابق اس سال دہلی کے 37 اردو میڈیم اسکولوں کے درجہ دہم کے صرف 30 فی صد اور درجہ دوازدہم کے صرف 28 فی صد طلبہ ہی امتحان میں پاس ہو سکے ہیں۔ سروے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیشتر طلبہ نے نصابی کتابوں اور اساتذہ کے بغیر ہی امتحانات کی تیاری کی تھی۔ بعض جگہوں پر تو طالب علموں کو بنیادی سہولتیں جیسے اسکول کی چھت بھی میسر نہیں تھی۔

تنظیم نے اپنی سروے رپورٹ میں کہا ہے کہ ان اسکولوں میں درمیان میں تعلیم چھوڑ دینے کی شرح بھی انتہا کو چھو رہی ہے۔ اعداد و شمار کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ 38 فی صد ڈراپ آؤٹ میں جہاں اساتذہ کی غفلت کا دخل رہا ہے وہیں 29 فی صد طالب علموں نے والدین کے رویے سے تنگ آکر اسکول جانا بند کر دیا۔ معاشرے کے طرزِ عمل کا بھی اس میں خاصا دخل پایا گیا ہے۔ رپورٹ میں اسکولوں کی کارکردگی کو روبہ انحطاط دکھایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ کتابوں، اسکولی ماحول اور دوسری سہولتوں کی عدم دستیابی کے ساتھ غیر دلچسپ نصاب تعلیم بھی بچوں کو تعلیم سے دور کرتا جا رہا ہے۔

سروے کے مطابق طلبہ کے 500 والدین کو سوالنامے بھیجے گئے تھے لیکن صرف 18 فی صد نے جواب دیے۔ اسی طرح 500 خاندانوں سے باتیں کی گئیں۔ جائزے میں پایا گیا کہ 7.8 فی صد طلبہ کے والدین گریجویٹ، 25 فی صد بچوں کے والدین میٹرک پاس اور 42 فی صد طلبہ کے والدین ناخواندہ ہیں۔ کچھ طلبہ نے اساتذہ کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال کرنے، طلبہ کو پرائیویٹ ٹیوشن کے لیے مجبور کرنے کی بھی شکایت کی۔

سروے میں اس صورت حال کے لیے زمانے کی بدلتی ہوئی قدروں کو بھی ایک حد تک ذمے دار ٹھہرایا گیا ہے جن کی وجہ سے اردو میڈیم اسکولوں کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ کیوں کہ "خواندہ خاندانوں" کے لوگ اردو میڈیم اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخلہ دلاتے ہوئے اب شرم محسوس کرتے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ کچھ مسائل کی وجہ پرانی دہلی کی تقریباً 7 لاکھ کی آبادی ہے جبکہ وہاں گنجائش صرف 60 ہزار کی ہے۔ عمارتیں ایسی حالت میں ہیں کہ وہ کارخانوں کا منظر پیش کرتی ہیں، نیز شور و غل اور ایسے ہی دوسرے عوامل تعلیمی ماحول میں مسلسل رخنہ ڈالتے رہتے ہیں۔

رضاکار تنظیم فرینڈس فار ایجوکیشن ہر سال اس طرح کی تعلیمی رپورٹ تیار کرتی ہے اور اردو میڈیم اسکولوں میں جمود کی حالت، تعلیمی ماحول کے فقدان، اساتذہ کی عدم دلچسپی، طلبہ کی آوارہ گردی کی طرف معاشرے کی توجہ مبذول کراتی ہے تاکہ ان لوگوں میں تحریک پیدا ہو۔

(قومی آواز، دہلی)

انڈین اسکولوں میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد میں اضافہ

● حیدر آباد، 7 رجولائی۔ اردو اکادمی جدہ نے خلیج کے تمام انڈین ایمبسی اسکولوں میں بھی اردو کو بطور لسانی مضمون پڑھائے جانے کی موثر نمائندگی کی ہے جس کے باعث خلیج کے تقریباً تمام انڈین اسکولوں میں اردو کو بحیثیت ایک مضمون اختیار کرنے والے طلبہ کی تعداد میں 25 فی صد اضافہ ہوا ہے۔ اکادمی کے سکریٹری مسٹر سلیم فاروقی نے بتایا کہ سی بی ایس سی کے تحت پڑھائے جانے والے نصاب میں اردو کو شامل کرانے کے لیے اکادمی نے نئے تعلیمی سال سے قبل ہی اپنی مہم شروع کر دی تھی۔ اس مہم کے بہتر نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ اکادمی کی کوششوں سے انٹر نیشنل انڈین اسکول جدہ میں جہاں 8 ہزار طلبہ و طالبات تعلیم پا رہے ہیں، دو ہزار طلبہ نے اردو کو اختیاری لسانی مضمون کی حیثیت سے اپنایا ہے۔ خلیج کے دوسرے شہروں میں اکادمی نے مقامی کمیٹیوں و رضاکارانہ انجمنوں اور تارکین وطن کے تعاون سے یہ کام انجام دیا ہے۔ (سیاست، حیدر آباد)

اردو یونی ورسٹی میں داخلے اور سربراہان مراکز کی میٹنگ

● حیدر آباد، 6 رجولائی۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کے بی اے، بی ایس سی اور بی کام یا کسی بھی سرٹیفکیٹ کورس میں داخلے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ متعلقہ شہر یا علاقے میں یونی ورسٹی کا اسٹڈی سینٹر موجود ہو۔ ہندستان کے کسی بھی حصے میں مقیم باشندے بذریعے ڈاک یونی ورسٹی ہیڈ کوارٹر (گچی باؤلی، حیدر آباد-32) سے داخلہ فارم منگوا کر داخلہ حاصل

کر سکتے ہیں۔ ایسے طلبہ کو یونی ورسٹی اُن کے مقام سے قریب ترین واقع اسٹڈی سینٹر سے منسلک کر دیتی ہے جہاں وہ امتحانات میں شریک ہو سکتے ہیں۔ ایسے طالب علموں کے لیے اسٹڈی سینٹر پر ہونے والی کونسلنگ اور کلاسوں میں حاضری کا لزوم نہیں ہے۔ جو کتابیں مہیا کی جاتی ہیں اُن کی نوعیت 'خود وضاحتی' ہے اس لیے طالب علم از خود انھیں پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یونی ورسٹی کی جانب سے تمام خط و کتابت ہر طالب علم کے دیے گئے پتوں پر راست کی جاتی ہے۔ داخلے کے بعد کتابوں کا سیٹ، تفویضات، امتحان سے متعلق اطلاع اور نتائج وغیرہ طالب علم کو انفرادی طور پر اُن کے دیے گئے پتوں پر ارسال کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی فرد خواہ وہ ہندستان کے کسی بھی خطے میں رہتا ہو اردو یونی ورسٹی کے کورسوں میں داخلہ حاصل کر سکتا ہے۔ یونی ورسٹی کے ریجنل مراکز دہلی، پٹنہ، بنگلور میں ہیں۔ ان مراکز کے عہدے داران نے باضابطہ اپنے عہدے سنبھال لیے ہیں۔ ان مراکز سے بھی فارم حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ وہ طلبہ بھی اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بنیاد پر ان کورسوں میں داخلے کے مجاز ہیں جنھوں نے باقاعدہ / رسمی تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ سند نہ رکھنے والے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہلیتی امتحان میں کامیابی حاصل کریں۔

دریں اثنا یونی ورسٹی میں بی اے، بی ایس سی، بی کام سال اوّل اور سرٹی فکیٹ کورس برائے غذا و تغذیہ (اہلیت اُردو بذریعہ انگریزی اور بذریعہ ہندی اور فنکشنل انگلش) میں داخلے جاری ہیں۔ داخلہ فارم ہیڈ کوارٹر کے ساتھ ساتھ تمام اسٹڈی اور ریجنل سینٹروں پر بھی دستیاب ہیں۔ گریجویشن کورسوں میں 10+2 یا اُس کے مساوی امتحان کی بنیاد پر راست داخلے اور سبھی سرٹی فکیٹ کورسوں میں داخلے کی آخری تاریخ 5 اکتوبر ہے۔ ایسے امیدوار جو 10+2 نہیں ہیں، جنھوں نے کسی مرحلے پر تعلیم ترک کر دی تھی یا کوئی عصری تعلیم حاصل ہی نہ کی ہو، وہ اہلیتی ٹیسٹ کے ذریعے تین سالہ گریجویشن پروگراموں میں داخلے حاصل کر سکتے ہیں۔

● حیدر آباد، 26 جون۔ "مولانا آزاد نیشنل اُردو یونی ورسٹی کے تعلیمی پروگرام ملک کا تعلیمی گراف بلند کرنے میں انتہائی مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ان کی مناسب تشہیر کی جائے اور اسے اُس طبقے تک پہنچایا جائے جو فی الحقیقت یونی ورسٹی کا ٹارگٹ گروپ ہے۔ یہ کام محض یونی ورسٹی یا اس کے عہدیداران سے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لیے فروغ زبان اور تعلیمی سرگرمیوں میں شریک سبھی افراد اور اداروں کو آگے آنا ہوگا۔" ان خیالات کا اظہار مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کے تمام اسٹڈی سینٹرز کے سربراہان کی میٹنگ میں کیا گیا۔ میٹنگ میں پچاس سے زائد مندوبین نے شرکت کی۔ یہ میٹنگ کورسوں کی مقبولیت میں اضافے کی تدابیر پر غور و خوض کے لیے طلب کی گئی تھی۔ شرکا نے نئے عزم و حوصلے کے ساتھ تعلیمی تحریک چلانے پر زور دیا اور سب نے اپنے اپنے علاقوں میں کوششیں کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ میٹنگ کی صدارت وائس چانسلر پروفیسر محمد شمیم جیراجپوری نے کی جبکہ انجمن اسلام ممبئی کے صدر ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے پرو وائس چانسلر جناب ایم این اے چودھری نے مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نظامت فاصلاتی تعلیم کے ڈائرکٹر انچارج ڈاکٹر ایس اے وہاب نے کی۔

پروفیسر شمیم جیراجپوری نے اپنی تقریر کا آغاز اُن لوگوں کے لیے حرفِ تشکر سے کیا جو گزشتہ چار برسوں کے دوران یونی ورسٹی کے لیے کسی بھی طرح سے معاون ثابت ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ فاصلاتی نظام تعلیم اور اسٹڈی سینٹروں کے جال کے ذریعے یونی ورسٹی ملک کے دور دراز علاقوں تک پہنچ رہی ہے اور اردو میڈیم کے ذریعے اردو زبان کے فروغ کا کام کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو میڈیم میں تعلیم دینا بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس کے باوجود چار تعلیمی برسوں میں یونی ورسٹی میں قریب پندرہ ہزار طلبہ ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ یونی ورسٹی کسی کو انگریزی، ہندی یا کوئی اور میڈیم ترک کر کے اردو میڈیم اختیار کرنے پر زور نہیں دیتی بلکہ اردو ذریعہ تعلیم کا ایک متبادل پیش کرتی ہے۔

انجمن اسلام کے صدر ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا نے یونی ورسٹی اور وائس چانسلر کے لیے کلماتِ خیر سے اپنی تقریر کا آغاز کرنے کے بعد کہا کہ آنے والے دس بارہ برسوں میں لوگ سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم اردو میڈیم سے حاصل کرتے ہوئے تکلف یا تردد محسوس نہیں کیا کریں گے۔ تاہم انھوں نے کہا کہ ہمیں مختلف مقامات پر داخلوں اور ملازمتوں کے لیے اس یونی ورسٹی کی اسناد کو تسلیم کیے جانے کی مساعی کرتے رہنا چاہیے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پرو وائس چانسلر جناب ایم این اے چودھری نے یونی ورسٹی کی کارکردگی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں 33 ہزار مدارس ہیں جہاں بنیادی طور پر دینی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ان مدارس کو ایک لڑی میں پرونے اور اُن کی رہنمائی کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اردو یونی ورسٹی اگر یہ کام کرتی ہے تو مدارس کی راہ بھی متعین ہو گی اور وہاں سے یونی ورسٹی کو طلبہ بھی میسر ہوں گے۔ یہ مدارس قومی سرمایہ ہیں جن کا تحفظ ہمارا فرض ہے۔

یونی ورسٹی کے بنگلور اور پٹنہ ریجنل سینٹروں کے ریجنل ڈائرکٹر بالترتیب ڈاکٹر قاضی ضیاء اللہ، ڈاکٹر عبیدالرحمن اور دہلی ریجنل سینٹر کے

اسسٹنٹ ریجنل ڈائرکٹر ڈاکٹر شاہد پرویز نے اپنے اپنے علاقوں کی صورت حال، مسائل اور ضروریات کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔ ان کے علاوہ دیگر شرکا نے اپنے تاثرات پیش کیے۔ فاصلاتی تعلیم کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر جناب علی رضا موسوی نے میٹنگ کے افتتاحی اجلاس میں یونی ورسٹی کا ایک خاکہ پیش کیا جبکہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

اندور میں این سی ای آر ٹی کا قومی ورکشاپ

● اندور۔ این سی ای آر ٹی میں اردو کی نصابی کتابوں کی تیاری اور اشاعت جاری ہے۔ اس سلسلے میں ایک ورکشاپ یکم سے 5/جولائی تک اندور میں، مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کے تعاون سے اسلامیہ کریمیہ سوسائٹی کے کانفرنس ہال میں منعقد ہوا۔

افتتاحی اجلاس کی صدارت ڈاکٹر خلیق انجم جنرل سکریٹری، انجمن ترقی اردو ہند نے کی۔ پروفیسر محمد حلیم خاں، صدر مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ سابق وائس چانسلر پروفیسر اے اے عباسی نے ابتدائی کلمات میں این سی ای آر ٹی کی جانب سے ورک شاپ کے لیے اندور کا انتخاب کرنے پر اظہار مسرت کیا۔ تعارفی تقریر میں پروفیسر صابرین (جن کی نگرانی میں یہ پروجیکٹ جاری ہے) نے کہا کہ ہمارا آئین مادری زبان میں تعلیم و تربیت کی ضمانت دیتا ہے اس لیے ابتدائی درجات سے لے کر ثانوی درجات تک اردو ذریعہ تعلیم کا بھرپور انتظام کرنا سرکار کے ساتھ ساتھ ہم سب کی قومی اور آئینی ذمے داری ہے۔ ورک شاپ کا افتتاح کرتے ہوئے ڈاکٹر بھارت چھپروائی، وائس چانسلر اندور یونی ورسٹی نے ہندستان کی تعمیر میں اردو کے تاریخ ساز کردار کو سراہتے ہوئے کہا کہ آج ہندستان میں اردو جیسی سیکولر زبان کی تعلیم اور اس کے ادب کی تخلیق و اشاعت وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ پروفیسر شمیم حنفی نے اپنی تقریر میں اندور سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے ملک میں ایک باشعور، باخبر اور مہذب سماج کی تشکیل کی ضرورت پر زور دیا۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے صدارتی کلمات میں واضح لفظوں میں کہا کہ ہندستان میں جمہوریت اور صحت مند معاشرے کی بقا اور اس کا فروغ، اردو کی بقا اور اس کے فروغ سے جڑا ہوا ہے، اس لیے اردو کی تعلیم اور اس کی ترویج و اشاعت ہم سب کی مشترکہ ذمے داری ہے۔

اس کے بعد 5 دن کے ورک شاپ میں دسویں جماعت کے نصاب کو قطعیت دے کر اشاعت کے لیے تیار کیا گیا۔ ورک شاپ میں ڈاکٹر خلیق انجم، پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر عبیدالرحمن ہاشمی، ڈاکٹر اسلم پرویز، ابوالفیض سحر، ڈاکٹر فیروز اور ڈاکٹر نعمان کے علاوہ عزیز اندوری، راحت اندوری اور اردو کے مقامی پروفیسر اور سینئر اساتذہ نے شرکت کی۔ آخر میں شکریہ ادا کرتے ہوئے پروفیسر صابرین نے بتایا کہ اب تک گیارھویں، نویں اور چھٹی جماعت کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور باقی کتابوں پر تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ (ڈاک سے)

اترانچل میں اردو کے فروغ کے امکانات

● دہرہ دون 16/جون۔ اترانچل کے وزیر اعلا نرائن دت تیواری نے کہا ہے کہ اس پہاڑی ریاست میں اردو زبان کی نشر و اشاعت کے عمل کو فروغ دینے کے لیے مناسب انتظام کیا جائے گا۔

مسٹر تیواری نے کل یہاں اترانچل کانگریس کمیٹی کے اقلیتی سیل کے ایک وفد سے کہا کہ اس کام کے لیے ایک سروے کرایا جائے گا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اردو پڑھنے والوں کی تعداد کتنی ہے۔ اسی کے مطابق ریاستی حکومت انتظام کرے گی اور ان کے لیے اساتذہ فراہم کرائے گی۔ انھوں نے کہا کہ ریاست کے جن اداروں میں اردو کی آسامیاں خالی ہیں انھیں جلد ہی پر کیا جائے گا۔ وفد کے قائد مسٹر ایم این فاروقی نے بتایا کہ اترانچل کے قیام کے بعد بیشتر اردو اساتذہ نے اتر پردیش جانا پسند کیا۔ (قومی آواز دہلی)

پبلک اردو لائبریری کا افتتاح

● 26/مئی کو برہانپور جامع مسجد کیمپس میں ادارہ پبلک اردو لائبریری اینڈ مائنوریٹی ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام کئی ادوار پر مشتمل تقریبات منعقد کی گئیں جن میں پبلک اردو لائبریری اینڈ مائنوریٹی ایجوکیشن سوسائٹی کا از سر نو افتتاح، سال رواں میں مدھیامک کے امتحان میں فرسٹ اور سیکنڈ ڈویژن حاصل کرنے والے اردو میڈیم کے طلبہ اور طالبات کو استقبالیہ دینا اور بزم مشاعرہ کا پروگرام شامل تھا۔

مہمانان خصوصی میں بزرگ رہنما ہیراپور کے سابق ایم ایل اے اور سابق میئر جناب باباپدو مکھرجی، ڈی ایس پی آسنسول محترمہ سوما داس، سابق ایم ایل اے ہیراپور جناب ممتاز حسن، ایم ایل اے ہیراپور جناب ملائے گھٹک، شہر کی سرکردہ سیاسی اور سماجی شخصیات کے علاوہ دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کی کافی بڑی تعداد موجود تھی۔ ادارے کے صدر جناب مسرت حسین نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ پہلے دور میں ادارے کا از سر نو افتتاح جناب باباپدو مکھرجی کے ہاتھوں انجام پایا۔ واضح ہو کہ پبلک اردو لائبریری برسوں سے بند پڑی تھی جس میں ہزاروں کی تعداد میں بیش قیمت کتابیں

محفوظ ہیں۔ دوسرے دور میں طلبہ اور طالبات کو انعامات تقسیم کیے گئے۔ اس موقع پر مقررین نے تعلیمی موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا اور طلبہ اور طالبات کی حوصلہ افزائی کی۔

تیسرے اور آخری دور میں بزم مشاعرہ کا آغاز ہوا جس کی صدارت جناب محبوب انور نے کی۔ نقابت کے فرائض جناب شکیل احمد شکیل نے انجام دیے۔ (آزاد ہند، کولکاتا)

ٹیچرز ٹریننگ کورس کے لیے مفت کوچنگ

● نئی دہلی، 2/ جولائی۔ اردو سبجیکٹ ٹیچرس ایسوسی ایشن دہلی (استاد) کی ایک میٹنگ میں، جو کہ آج ایم سی اسکول 64 کھمبا میں منعقد ہوئی، ڈائٹ کے ای ٹی ای (ٹیچرس ٹریننگ) کورس میں اردو طلبہ کے لیے بیس سیٹیں مقرر کرانے کے لیے دہلی کی چیف منسٹر شیلا دیکشت کا شکریہ ادا کیا گیا۔ نیز متفقہ طور پر یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ ٹیسٹ میں بیٹھنے والے غریب طلبہ کے لیے چودھری ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی کے تعاون سے فری کوچنگ کا انتظام کیا جائے۔ (قومی آواز، دہلی)

دربھنگہ میں یومِ اردو

● دربھنگہ 12/ جون۔ سرکاری طور پر یوں تو ہر سال 11/ جون کو یوم اردو منایا جاتا ہے لیکن اس بار یہ پروگرام تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ ضلع کلکٹر شری رام بہادر یادو کی صدارت میں ہوئی اس میٹنگ میں ہر مکتبِ فکر کے نمائندہ لوگوں کو مدعو کیا گیا۔ جلسے میں اردو داں حضرات سے زیادہ تعداد میں غیر اردو داں حضرات نے شرکت کی اور اردو زبان کو قومی ایکتا اور ہندستان کی تہذیبی زبان قرار دیا۔ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے جناب صفی احمد، چیئرمین ضلع پریشد نے مطالبہ کیا کہ تمام سرکاری نوٹس بورڈ اردو میں لکھوائے جائیں اور اردو کے کاموں کو ہر ضلع میں فروغ دیا جائے۔ انھوں نے ابتدائی اسکولوں میں اردو کتابوں کی فراہمی کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی۔ سابق ایم ایل اے جناب شیو ناتھ ورما نے کہا کہ اردو کسی خاص مذہب کی زبان نہیں ہے اور نہ صرف سرکاری کام کاج کی زبان ہے۔ اس لیے عوام کی زبان کا دن بھی عوامی سطح پر منانا چاہیے۔ ڈاکٹر قمر الحسن، صدر ضلع کانگریس دربھنگہ نے سرکاری دفاتر میں مترجموں کے اردو کی جگہ دوسری فائلوں کا کام کرنے پر اعتراض کرتے ہوئے اردو میں کام کرنے کی وکالت کی اور انھوں نے عوام سے بھی اپیل کی کہ وہ اردو میں درخواست دیں۔ وکلا حضرات میں جناب محی الدین احمد، عنبر امام ہاشمی اور ممتاز احمد نے بھی اردو کی ترقی اور اشاعت پر اظہار خیال کیا اور اس جلسے کو آئندہ سال سے بڑے پیمانے پر کرنے کی گزارش کی۔ ڈاکٹر مشتاق احمد، مدیر جہانِ اردو نے یوم اردو کو اس شان و شوکت سے منانے پر ضلع کلکٹر کو مبارکباد پیش کی اور کہا کہ اردو کی ترقی ہوگی تو ہندی کی بھی ترقی ہوگی۔ پروفیسر رئیس انور، عطاء الرحمان رضوی اور منظر سلیمان نے اردو لائبریری کا مطالبہ کیا جسے ضلع وکلا نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ بہت جلد ہی اردو لائبریری کی بنیاد ڈالی جائے گی۔ اس موقع پر ایک شعری نشست کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں دربھنگہ شہر کے نمائندہ شاعروں کو مدعو کیا گیا تھا۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

جاریہ سال سے اردو صحافیوں کو سرکاری ایوارڈس

● حیدر آباد، 28/ جون۔ حکومت آندھرا پردیش نے جاریہ سال سے بہترین اردو صحافیوں کو بھی ریاستی سطح کا ایوارڈ دینے کا اعلان کیا۔ صحافیوں کو ممکنہ سہولتوں کی فراہمی اور طبی انشورنس پر غور کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پریس اکادمی آندھرا پردیش کی سرگرمیوں کو بھی وسعت دینے کا اعلان کیا گیا۔ پریس اکادمی کی تیسری گورننگ کونسل کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے چیف منسٹر مسٹر این چندرابابو نائیڈو نے کہا کہ الیکٹرانک میڈیا (ٹیلی ویژن، ای میل نٹ وغیرہ) کی مسابقت کے باعث یہ اندیشے ظاہر کیے گئے تھے کہ اخبارات پر اس کا اثر پڑے گا۔ اس کے باوجود اخبارات پڑھنے والوں میں کمی نہیں ہوئی بلکہ الٹا اضافہ ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ حالیہ عرصے میں اخبارات کے سرکولیشن میں بیس فی صد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ انھوں نے صحافیوں سے کہا کہ وہ حکومت کے اس کام میں اپنا تعاون دراز کریں۔ پریس اکادمی کی سرگرمیوں کو وسعت دینے کا اعلان کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اکادمی نے صحافیوں کی تربیت کا بہترین نظم کیا ہے۔ ریاست سے شائع ہونے والے اخبارات کو الیکٹرانک طریقہ اسنادات کے ذریعے محفوظ رکھنے کے لیے پریس اکادمی میں ایک ڈیجیٹل لائبریری قائم کی جائے گی۔ صحافیوں کو مختلف زمروں میں اعزازات دیے جائیں گے۔ محکمہ اطلاعات و تعلقاتِ عامہ کی جانب سے جہاں بہترین صحافی، دیہی صحافی و فوٹو گرافرس کو ایوارڈ دیے جارہے ہیں اب ان میں اضافہ کرتے ہوئے بہترین الیکٹرانک میڈیا صحافی کے ریاستی سطح کے ایوارڈ بھی دیے جائیں گے۔ اس تقریب میں سینئر صحافی مسٹر کمبھاراؤ کو جنھیں حکومتِ ہند نے پدم شری کا اعزاز دیا ہے، چیف منسٹر نے تہنیت پیش کی۔ صدر پریس اکادمی مسٹر آئی وینکٹ راؤ نے خیر مقدم کیا اور تقریب کی صدارت کی۔ وزیر اطلاعات و تعلقاتِ عامہ مسٹر ایس چندرا موہن ریڈی نے بھی خطاب کیا۔ اکادمی کے سکریٹری پرمود راؤ نے شکریہ ادا کیا۔ (سیاست، حیدر آباد)

غالب کے خطوط کی ڈرامائی پیش کش

● نئی دہلی، 8/جولائی۔ گزشتہ اختتام ہفتہ امپریساریو ایشیا اور انڈیا ہیبی ٹیٹ سینٹر نئی دہلی کی جانب سے ایک منفرد پروگرام "غالب کے خطوط: ایک ڈرامائی ریڈنگ" کا انعقاد گل مہر ہال میں کیا گیا۔ ہندستان میں اس طرح کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اب تک کسی شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار یا دوسرے تخلیق کاروں کی زندگی اور ان کی کہانیوں اور ناولوں کو مرکز بنا کر ڈرامے تو پیش کیے گئے ہیں لیکن خطوط کی ریڈنگ نہیں کی گئی ہے۔ البتہ پاکستان میں ضیاء محی الدین نے فیض احمد فیض اور صفیہ کے خطوط کی ڈرامائی ریڈنگ ضرور کی ہے۔

غالب کے خطوط کے انتخاب اور پیش کش کی ذمے داری اردو ادب بلکہ تھیٹر کی جانی پہچانی شخصیت انیس اعظمی کو سونپی گئی تھی۔ انھوں نے غالب کے خطوط کی ڈرامائی پیش کش سے سامعین کو مسحور کر دیا۔ پندرہ خطوط کے ذریعے 1852 سے لے کر 1860 تک کے زمانے کو انھوں نے بہ زبان غالب اس طرح پیش کیا کہ اس پر آشوب دور کے تمام مناظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے اور ساتھ ہی خطوط کی پرتیں آشکار ہوئیں جو کہ صرف پڑھنے سے نہیں ہوتیں۔

یوں تو مرزا غالب نے 1848 سے خط لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ انھوں نے پہلا خط منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھا تھا۔ اس شام کی شروعات حکیم غلام مرتضیٰ خاں کو 1852 میں لکھے گئے غالب کے خط سے ہوئی اور خاتمہ حکیم سید احمد حسن مودودی کو لکھے گئے خط پر ہوا۔ درمیان میں تفضل حسین خاں، پیارے لال آشوب، گوبند سہائے، نواب امین الدین احمد خاں، میر مہدی مجروح، منشی ہرگوپال تفتہ، عزیز الدین، خواجہ غلام غوث خاں بے خبر، منشی نبی بخش حقیر، میر حبیب اللہ ذکا، میر بندہ علی خاں عرف مرزا میر اور نواب کلب علی خاں کو لکھے گئے خطوط کو، خط کے مزاج، اس دور کے تلفظ اور انداز کے مطابق اس طرح پیش کیا گیا گویا غالب خود اپنی زبان سے اسے سنا رہے ہیں۔ اس محفل میں غالب کو ہر اسکول، کالج اور یونی ورسٹی میں پڑھانے والے استاد نظر نہیں آئے اور نہ ہی اردو کے صحافی دکھائی دیے البتہ انگریزی اور دوسرے مضامین پڑھانے والے وہ اساتذہ ضرور موجود تھے جنھوں نے ترجمے کے سہارے غالب کو پڑھا یا سمجھا ہے۔ اس دوران یوکو آزاد اور منو کوہلی نے غالب کی غزلوں کو مترنم آواز میں پیش کیا۔ (قومی آواز، دہلی)

اردو ہال میں ادبی اجلاس و مشاعرہ

● حیدرآباد، 15/جون۔ ممتاز شاعر جناب قدیر انصاری کے اعزاز میں ایک ادبی اجلاس "ایک شام قدیر انصاری کے نام" کے زیر عنوان اردو ہال حمایت نگر میں منعقد ہوا۔ پروفیسر سید سراج الدین نے ادبی اجلاس کی صدارت کی۔ جناب عبدالرب عارف نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ داعی محفل و لیکچرر انوار العلوم کالج جناب عظمت اللہ خاں نے خیر مقدمی تقریر میں کہا کہ قدیر انصاری کی گفتگو اور شاعری دونوں میں بے ساختہ پن ہے۔ وہ ایک خوددار، بند مٹھی کے انسان ہیں۔ یہی احساسات ان کی شاعری میں بھی ملتے ہیں۔ پروفیسر غنی نعیم نے کہا کہ قدیر انصاری اپنے فکر شعری میں شرافت کے ساتھ شرارت، سنجیدگی کے ساتھ شوخی رکھتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں تصوف کی آمیزش ہے۔ رحمٰن جامی نے کہا کہ مجھے اپنے شاگرد قدیر انصاری پر فخر ہے۔ میں ایک خوش قسمت استاد ہوں کہ میرے بہت سے شاگرد صاحب مجموعہ ہو کر اردو دنیا میں اپنا نام روشن کیے ہوئے ہیں۔

اس موقع پر پروفیسر اشرف رفیع، ڈاکٹر مجید بیدار، جناب جمیل شیدائی، محترمہ عائشہ صدیقہ اور جناب حسن فرخ پی آر او اردو اکادمی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جناب یوسف روش اور ڈاکٹر سید حسن نے قدیر انصاری کو منظوم تہنیت پیش کی۔ صدر محفل پروفیسر سید سراج الدین نے اپنی تقریر میں کہا کہ قدیر انصاری نے چھوٹی بحروں میں بہت اچھی غزلیں کہی ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی ہے جو متاثر کرتی ہے۔ اس موقع پر جناب قدیر انصاری کی گلپوشی کی گئی۔ ادبی اجلاس کے بعد جناب رحمٰن جامی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا جس میں صدر مشاعرہ کے علاوہ پروفیسر سید سراج الدین، حسن فرخ، قدیر انصاری، یوسف روش، ڈاکٹر سید حسن، نسیم اعجاز نسیم، ڈاکٹر دل ہاشمی، عبدالغفار خداداد، محترمہ تسنیم جوہر، جمیل شیدائی، نجم الغازی، افتخار عابد، ریاض احمد پرواز، عبدالرب عارف اور عبدالرزاق نے اپنا کلام سنایا۔ (منصف، حیدرآباد)

سید حامد کے مجموعے "شیرازہ" پر مذاکرہ

● نئی دہلی، 11/جون۔ سید حامد کمیٹی کی جانب سے 8/جون 2002 کو اردو گھر نئی دہلی میں اردو کے دانشور اور ادیب سید حامد کے شعری مجموعے "شیرازہ" کی اشاعت پر ایک مذاکرہ منعقد ہوا جس میں دہلی کے ادیبوں اور دانشوروں کی کثیر تعداد شریک تھی۔ ابتدا میں ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنی تعارفی تقریر میں کہا کہ سید حامد کے مزاج اور ان کی فکر میں سیکولرازم اور قومی کردار رچا بسا ہوا ہے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ "شیرازہ" کے بعد جشن سید حامد کمیٹی خصوصی توجہ اور اہتمام سے سید حامد کے مضامین اور ان کی شخصیت اور خدمات پر مشاہیرین کے مقالات دو جلدوں میں مرتب کر کے

شائع کر رہی ہے۔ ڈاکٹر اسلم پرویز نے جامع انداز میں سید حامد کی شاعری کے جمالیاتی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے مزاج اور کردار کی طرح شاعرانہ احساسات و جذبات کے اظہار میں بھی بہت محتاط ہیں۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے سید حامد کی مثنویوں کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ پہلی بار کسی اردو شاعر نے مشرقی روایات کو مغرب کے تناظر میں پیش کرتے ہوئے بیانیہ شاعری کو نئی وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے سید حامد کو ایک بااصول شخصیت اور صاف دل و دماغ کا مالک قرار دیتے ہوئے ان کی شاعری میں بھی ایسے ہی نکھرے ستھرے عناصر کو تلاش کیا۔ رفعت سروش نے سید حامد کی بعض نظموں کو تاریخی پس منظر میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ دیر سے ہی سہی مگر سید حامد کی شعری متاعِ ہنر کا صحیح ڈھنگ سے جائزہ لیا جارہا ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے "شیرازہ" کے صوری و معنوی حسن کی داد دیتے ہوئے ایسی خوب صورت اشاعت پر دلی مسرت کا اظہار کیا۔

پروفیسر شمیم حنفی نے صاحبِ شیرازہ کے بعض اہم شعری محاسن کی نشان دہی کرتے ہوئے معروضی انداز میں ان کے سنبھلے ہوئے معنی آفریں رویوں کو اجاگر کیا۔ پروفیسر صدیقی الرحمان قدوائی نے کہا کہ "شیرازہ" فنکارانہ صلاحیت کا ایک ایسا مجموعۂ کلام ہے جسے اردو کے شعری سرمائے میں صحت مند اضافہ کہا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ ذکی طارق، ڈاکٹر شعیب رضا وارثی، نسیم راشد، عازم گروندر سنگھ کوہلی، ڈاکٹر ظل ہما، ڈاکٹر نعمان، پروفیسر صابرین، پروفیسر عبیدالرحمان ہاشمی اور عظیم اختر، سکریٹری اردو اکادمی نے بھی اظہار خیال کرتے ہوئے سید حامد کی شخصیت اور ان کی شاعری کے مختلف گوشوں کو نمایاں کیا۔

سید حامد نے مقررین اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ شاعری کا شوق، جذبۂ تحریر، شاعر کو شعور کی منزلوں سے اوپر اٹھا کر وجدان کی رفعتوں سے بھی روشناس کراتا ہے۔ ابوالفیض سحر نے نظامت کرتے ہوئے سید حامد کی شاعری میں پیوست ہندستانی تہذیب کی مشترکہ روایات کی بازگشت کو نمایاں کیا اور انھی کے اظہارِ شکریہ پر یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

(قومی آواز، دہلی)

جودھپور میں شہریار کے اعزاز میں جلسہ

● جودھپور، 8 رجون۔ زندگی کی سچائیوں اور حالات کی تلخیوں کو انسانی رشتوں کے تانے بانے میں بُن کر اپنی غزلوں اور نظموں میں پیش کرنے والے ہندستان کے معروف شاعر پروفیسر شہریار نے ہفتے کی رات سورج نگری کے شائقینِ شعر و ادب کو خوب خوب محظوظ کیا۔

انوراوھا آرٹس کی جانب سے جودھپور میں منعقد پروگرام بزمِ سخن میں مختلف انعامات سے نوازے جاچکے اور فلموں کے توسط سے خاص و عام میں مقبول ہوچکے شاعر شہریار نے "تخلیق کار سے ملاقات" پروگرام کی شروعات اپنی مشہور غزل ـــ امید سے کم چشم خریدار میں آئے ـــ ہم لوگ ذرا دیر سے بازار میں آئے، سے کی۔ موجودہ حالات کو سمیٹ کر غزل میں پیش کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

تمھارے شہر میں کچھ ہوا نہیں ہے کیا
کہ تم نے چیخوں کو سنا نہیں ہے کیا؟

زندگی کے لازمی اور لطیف احساسات کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے جب کہا:

کتنی معصوم سی تمنا ہے
نام اپنا تیری زباں سے سنوں

تو سبھی سامعین واہ واہ کر اٹھے۔ انھوں نے پروگرام میں اپنی نظم بھی سنائی۔

ابتدا میں جج بھگوتی پرساد، کھیلوں کے افسر شیام سندر ربستا، سُرسندھا کے صدر مدن لال چترلیا وغیرہ نے سرسوتی کے سامنے دیا جلا کر پروگرام کا آغاز کیا۔ پروگرام کی نظامت انور اوھاڈوانی نے کی۔

ش. م. حنیف نے اُن کی زندگی کے بارے میں جانکاری دی۔ نقاد اور شاعر ش. ک. نظام نے شہریار کی شاعری کے حوالے سے کہا کہ شہریار بنیادی طور پر محسوسات اور دانش وری کی آمیزش کے سچے شاعر ہیں۔ اُن کی شاعری کو حساس شائقین محسوس کرپاتے ہیں۔ پروگرام میں للت دیاس نے اُن کی غزلوں کو سروں میں ڈھال کر سامعین کو مسحور کردیا۔

(راجستھان پترکا، جودھپور)

● علی گڑھ، 4 رجولائی۔ ممتاز شاعر اور نغمہ نگار شہریار کے ادبی اور فلمی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جامعہ ملیہ اسلامیہ ان کی شخصیت اور کارہائے نمایاں پر ایک ڈوکومینٹری فلم بنارہی ہے۔

اپنے اولیں شعری مجموعے "اسمِ اعظم" کے وسیلے سے اردو ادب میں دھوم مچانے والے "شہریار" کو اردو ادب کے شیدائی ان کی جدید اور ترقی پسند شاعری کے حوالے سے جانتے ہیں وہیں دوسری جانب ہندی دنیا کا ایک عام انسان انھیں 80 کے عشرے کی کامیاب ترین فلم "امراؤ جان" کے نغمہ نگار کی حیثیت سے یاد کرتا ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دارالسلطنت کے مختلف حصوں میں اس فلم کی عکس بندی کی گئی۔ اس فلم میں ان کی ذاتی زندگی، ادبی سفر اور فلمی تجربات کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فلم کی ہدایت ممتاز کہانی کار

اصغر وجاہت دے رہے ہیں اور کہانی ومنظر نامہ مصور کیلاش پوری نے تیار کیا ہے۔ (قومی آواز، دہلی)

پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا اعزاز

● اونا (ہماچل پردیش)، 25رجون۔ ہماچل پردیش کی ستائیس سالہ قدیم علمی، ادبی اور سماجی آرگنائزیشن ہمورتھ کرش نے اپنی ستائیسویں سالانہ کانفرنس میں جگن ناتھ آزاد صدر انجمن ترقی اردو (ہند)، پروفیسر ایمرٹس جموں یونی ورسٹی کو نیشنل انٹگریشن ایوارڈ سے سرفراز کیا۔

اس کانفرنس کی صدارت کے فرائض پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے صدر اور اردو روزنامہ "ہند سماچار" کے ایڈیٹر پدم بھوشن وجے چوپڑہ نے انجام دیے۔ انھوں نے جگن ناتھ آزاد کی گل پوشی کے بعد انھیں سرسوتی کی وہائٹ میٹل میں جڑی ہوئی مورتی، شال، گلدستے اور سائی ٹیشن سے نوازا۔ اس موقع پر شمالی ہند کے جانے پہچانے شاعر زاہد ابرول نے سائی ٹیشن پیش کیا جس میں انھوں نے جگن ناتھ آزاد کے قومی اور بین الاقوامی ایوارڈوں کے حوالے دیے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

پروفیسر صادق شعبۂ اردو، ڈی یو کے نئے صدر

● نئی دہلی، 2رجولائی۔ دہلی یونی ورسٹی میں پروفیسر صادق کو شعبۂ اردو کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔ پروفیسر صادق اردو کے معروف نقاد، شاعر اور مصور ہیں اور گزشتہ بائیس سال سے شعبۂ اردو میں درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ تقرر کی تقریب میں شعبے کے سینئر اساتذہ پروفیسر عبدالحق، پروفیسر عتیق اللہ اور ڈاکٹر شریف احمد نے انھیں مبارک باد پیش کی۔ شعبۂ اردو کے اساتذہ ڈاکٹر ابن کنول، ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر علی جاوید، ڈاکٹر نجمہ ریحانہ خاں اور ڈاکٹر توقیر احمد خاں نے بھی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

(ڈاک سے)

"خزانوں کا مشاعرہ" کی اشاعت

● نئی دہلی، 14رجون۔ اردو کے صاحب طرز مزاح نگار نصرت ظہیر کے مضامین کا نیا مجموعہ "خزانوں کا مشاعرہ" کے عنوان سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔ یہ بچوں کے لیے نصرت ظہیر کے مزاحیہ مضامین کا پہلا مجموعہ ہے جسے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے زیر اہتمام مکتبہ پیام تعلیم نے شائع کیا ہے۔ اس سے پہلے ان کے طنزیہ مزاحیہ مضامین کے دو انتخابات "تحت اللفظ" اور "بقلم خود" چھپ چکے ہیں۔ ایک طنزیہ ناول "ابن بطوطہ کا دوسرا سفر" بھی شائع ہوا ہے۔ "خزانوں کا مشاعرہ" بچوں کے لیے لکھے گئے 18 مزے دار مضامین اور خاکوں پر مشتمل ہے جن میں ایک صبح کا ذکر ہے، کالج کے مینار، فضلو میاں کی کرکٹ کمنٹری، گل محمد چشمے والے اور جو یوں ہوتا ہے تو کیا ہوتا جیسے ہنسی سے لوٹ پوٹ کر دینے والے مضامین شامل ہیں۔ دلچسپ اور خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ چھاپی گئی 112 صفحات کی اس کتاب کی قیمت صرف 20روپے ہے اور یہ جامعہ نگر نئی دہلی و جامع مسجد دہلی کے علاوہ ممبئی اور علی گڑھ میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے مراکز پر دستیاب ہے۔ نصرت ظہیر کے سیاسی طنزیوں کا ایک مجموعہ "گول مول" جلد شائع ہونے والا ہے۔ ان دنوں وہ کئی مزاحیہ ٹی وی سیریل لکھ رہے ہیں اور کارٹون نویسی بھی کر رہے ہیں۔ (قومی آواز، دہلی)

مختصرات

● کڈپہ۔ انجمن ترقی اردو ضلعی شاخ کڈپہ اے پی کی جانب سے بمقام میونسپل اردو گرلز ہائی اسکول میں 21رمئی 2002 کو ڈائیٹ سیٹ مفت تربیتی کلاسوں کا اختتامی جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے کا آغاز تربیتی جماعتوں کی طالب علم صبیحہ بیگم کی تلاوتِ قرآن پاک اور شاہینہ ترنم کی نعتِ پاک سے ہوا۔ مہمانوں کا تعارف شکیل احمد نے پیش کیا۔

جناب عبدالستار فیضی شریکِ معتمد انجمن ترقی اردو کڈپہ نے صدارتی تقریر میں اردو اساتذہ کی خالی جائیدادوں کو پُر کرنے اور مدارس کو ایکریڈیشن دلانے میں انجمن ترقی اردو کی کوششوں کا ذکر کیا۔ اعزازی مہمان جناب سعید نظر، معتمد اردو دیے معلی تھے۔ کورس آرگنائزر سید شکیل احمد نے بتایا کہ اس ڈائیٹ سیٹ کی 35دن مفت تربیتی کوچنگ میں مفت نوٹس کے علاوہ ایک ماڈل ٹیسٹ، ہر سبجیکٹ میں دو سلپ ٹیسٹ اور ایک گرانڈ ٹیسٹ منعقد کیا گیا۔ اس کوچنگ میں 140 سے بھی زائد طلبہ شامل رہے۔

کورس کے اردو ریسورس پرسن جناب عبدالقدیر پرویز نے فرمایا کہ اس ستمبر کوچنگ کیمپ میں اردو سرٹیفکیٹ کورس، دسویں جماعت کے لیے گیٹ سیٹ، ڈائیٹ سیٹ اور دسویں جماعت میں ناکام طلبہ و طالبات کے لیے مفت کوچنگ کا انتظام کیا گیا ہے۔ سائنس ریسورس پرسن جناب سید شفاعت اللہ نے کہا کہ اردو طلبہ امتحان گاہ کو خوف کا مرکز نہ بنائیں بلکہ بے خوف ہو کر اپنے سوالات کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

اس کے بعد گرانڈ ٹیسٹ میں اچھے نمبرات لانے والے طلبہ میں انعامات تقسیم کیے گئے جس میں صبیحہ بیگم، عائشہ سلطانہ، شاہینہ ترنم اور صبیحہ سلطانہ کو انعامات سے نوازا گیا۔ (ڈاک سے)

●پورٹ بلیئر۔ جزائر انڈمان و نکوبار میں اسلامک گائیڈنس سینٹر پورٹ بلیئر میں ایک نشست (برائے فروغ اردو زبان) 2/جون کو منعقد ہوئی جس میں مہمان خصوصی پروفیسر احمد سجاد (چیئرمین مرکز ادب و سائنس، جھارکھنڈ) تھے۔ اس جلسے میں راجدھانی پورٹ بلیئر کے اردو زبان سے تعلق رکھنے والے حضرات شریک ہوئے۔ شرکائے نشست نے انڈمان جزائر میں اردو زبان کے ماضی کے حوالے سے گفتگو کی کہ جب اسکولوں میں اردو زبان باضابطہ ایک سبجیکٹ کے طور پر پڑھائی جاتی تھی لیکن دھیرے دھیرے یہ نظام زوال پذیر ہو گیا۔ مقررین نے اردو زبان کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے فروغ کے لیے حکمتِ عملی بنانے پر زور دیا۔ اسلامک ویلفیر سوسائٹی کے ذریعے اردو زبان کو آگے بڑھانے اور اس کی ترویج کے لیے کوششوں کی ستائش کرتے ہوئے ان کو حوصلہ افزا بتایا گیا۔ موجودہ حکومت نے زبان کی جو نئی پالیسی مرتب کی ہے اس میں اردو کو سیکنڈ اور تھرڈ زبان کی حیثیت سے پڑھانے کا مطالبہ کیا گیا۔

3/جون کو پروفیسر احمد سجاد نے جو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے رکن بھی ہیں، اسلامک ویلفیر سوسائٹی کے تحت چل رہے کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر کا معائنہ کیا اور طلبہ و طالبات سے خطاب فرمایا۔

(ڈاک سے)

● خالص پور۔ سوشل ایجوکیشن فاؤنڈیشن، خالص پور، اعظم گڑھ کے زیر اہتمام، 16/جون کو ایک مذاکرہ منعقد کیا گیا۔ عنوان "سماج کی تعمیر میں زبانِ اردو کا حصہ" تھا۔ مقررین نے موضوع کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ہندستانی سماج کے پس منظر میں، ماضی میں اردو کے مخصوص کردار کا ذکر کیا اور کہا کہ گزشتہ نصف صدی میں اردو کے بتدریج عدم استعمال سے سماج اور معاشرے کو خاصا نقصان پہنچا ہے۔ اکثر شرکا نے اردو سیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور اس طرح کے اجتماعات مسلسل منعقد کرنے پر زور دیا۔ فاؤنڈیشن کے مینجنگ ٹرسٹی ڈاکٹر ابرار اعظمی نے فاؤنڈیشن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ جلسے کی صدارت ٹاؤن ایریا جین پور کے سابق چیئرمین عباد احمد ایڈوکیٹ نے کی اور نظامت اور مذاکرے کا آغاز سماجی کارکن آنند پرکاش تواری نے کیا۔ نظم و انصرام فاؤنڈیشن کے ٹرسٹی انعام اعظمی کا تھا۔

(ڈاک سے)

●جلگاؤں، 9/جون۔ شاہین لائبریری میں جلگاؤں اردو رائٹرز فورم کی جانب سے ادب میں شہرت پسندی کے مسئلے پر ادبی مباحثے کا انعقاد ہوا۔ صدارت محمد فاروق اعظمی نے کی۔ مباحثے کا آغاز جناب عاجز بیاولی کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ فورم کے صدر معین الدین عثمانی نے مہمانوں کا تعارف پیش کیا۔ صغیر احمد نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے اس بات کی جانب متوجہ کیا کہ بعض لوگ میڈیا کے ناجائز طریقوں سے ادب میں نام پیدا کرنے اور اپنا ادبی قد اونچا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

معین الدین عثمانی نے کہا کہ فنکار کی حوصلہ افزائی اس کے فن سے کی جانی چاہیے، تعلقات کی بنیاد پر نہیں۔ عاجز بیاولی نے فرمایا کہ انسانی جبلت شعوری طور سے نام و نمود و شہرت سے جڑی ہوئی ہے، سچا فنکار کبھی ان چیزوں کا پابند نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے کہا کہ لوگوں کا ذوق و شوق بھی غیر معیاری ادب کو پروان چڑھانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ سلام بن رزاق صاحب نے شہرت پسندی کو ادب میں مہلک مرض قرار دیتے ہوئے کہا کہ جو لوگ میڈیا کے سہارے، ناجائز طریقوں سے اپنی غیر معیاری، سطحی قسم کی تخلیقات کو ادب میں پروان چڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ وقتی طور پر کامیاب ہوئے ہیں لیکن ادب میں وہ کوئی مقام بنا نہیں سکتے۔ (ڈاک سے)

● بیکانیر۔ انجمن طلبہ اردو راجستھان کی جانب سے مقامی رام پوریہ کالج بیکانیر میں فی البدیہہ مشاعرے کا انعقاد 9/جون کو کیا گیا۔ مشاعرے میں شرکت کے لیے بیکانیر کے 13 شعرائے کرام نے حصہ لیا۔

اس شعری مقابلے میں راجستھان کے کہنہ مشق شاعر جناب امین جودھپوری نے بطور جج شرکت فرمائی۔ انھوں نے شعرائے کرام کو مصرعہ طرح دے کر ایک گھنٹے میں کم سے کم پانچ شعر کہنے کو کہا۔ مقابلے میں ڈاکٹر معین الدین شاہین نے اوّل پوزیشن، جناب عبدالواحد اشرفی نے دوئم پوزیشن اور محترمہ سیما سید نے سوئم پوزیشن حاصل کی۔

اسی پروگرام میں بیکانیر کے بزرگ شاعر جناب خلیق عزیزی بیکانیری کو اعزاز سے نوازا گیا۔ خلیق بیکانیری نے غالب کی زمین میں اشعار پیش کیے۔ جناب امین جودھپوری نے اپنے ہندی، اردو اور راجستھانی کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ پروگرام کی صدارت جناب جناردن کلا (صدر شہر ضلع کانگریس بیکانیر) نے فرمائی۔ مہمانِ خصوصی جناب چتر بھوج ویاس (صدر نگر پریشد بیکانیر) اور مہمانِ اعزازی جناب تاج خاں (نائب صدر نگر پریشد بیکانیر) تھے۔

مقصود احمد (صدر انجمن طلبہ اردو) نے اُردو کی تمام خالی اسامیوں پر جلد از جلد اُردو کے تربیت یافتہ مدرسین کے تقرر کی مانگ کی۔ سامعین نے کثیر تعداد میں اس پروگرام میں شرکت کی۔ انعامات جناب انور اجمیری اور جناب محمد علی خلجی کے تعاون سے دیے گئے۔ نظامت کے فرائض انیس الدین صدیقی (ریسرچ اسکالر) نے انجام دیے۔ (ڈاک سے)

●مالیر کوٹلہ۔ 9/جون کی شب افسانہ کلب مالیر کوٹلہ کی جانب سے ایک افسانوی نشست کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت سونی پت سے آئے

مہمان جناب محمد حسین انصاری، اسسٹنٹ ڈائرکٹر اربن ڈیولپمنٹ نئی دہلی نے فرمائی جو کہ ادبی سنگم سونی پت سے وابستہ ہیں۔

نشست میں دو افسانے پڑھے گئے۔ محمد سالک جمیل نے افسانہ "جیون داتا" اور ڈاکٹر انوار احمد انصاری نے "جلتا ہندستان" پڑھ کر سنائے۔ دونوں افسانے گجرات کے فرقے وارانہ ماحول کے تناظر میں لکھے گئے ہیں۔ ان افسانوں پر حاضرین نے تنقیدی تاثرات پیش کیے۔

اپنے صدارتی خطبے میں جناب محمد حسین انصاری نے افسانوں کو حقیقت کے عکاس گردانتے ہوئے افسانہ نگاروں کی مثبت فکر کو سراہا۔ انھوں نے حاضرین کو خاص طور پر بتایا کہ بشیر مالیر کوٹلوی صدر روہانی افسانہ کلب جب سونی پت میں مقیم تھے تو ادبی سنگم سونی پت کے زیرِ اہتمام افسانوی تقریبات میں بشیر صاحب کی کوششوں سے جناب جوگندر پال، شرون کمار ورما، ستیہ پال آنند، ظفر پیامی، مجتبیٰ حسین جیسے قلمکار تقریبات کی رونق بڑھاتے رہے اور اہل شہر اُن کی گراں قدر تخلیقات سے محظوظ ہوتے رہے۔ (ڈاک سے)

● پٹنہ، 7/جون۔ اردو کونسل بہار جھارکھنڈ کی جانب سے ایک علمی مذاکرہ بعنوان "اشرف فرید کا دورۂ امریکہ: اور امریکہ میں اردو": مقامی اردو بھون پٹنہ میں 7/جون کو سابق وزیر جناب شمائل نبی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس علمی مذاکرے کا افتتاح حکومتِ بہار کے طبی تعلیم و خاندانی فلاح کے وزیر ڈاکٹر شکیل احمد نے کیا۔

قومی تنظیم کے مدیرِ اعلیٰ جناب اشرف فرید نے بطور مہمان اعزازی اپنے حالیہ امریکی دورے سے متعلق تجربات اور مشاہدات تفصیل سے پیش کیے۔ انھوں نے بتایا کہ امریکہ میں ہندستان اور پاکستان کے لوگ اردو لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں۔ وہاں سے کئی اچھے اردو اخبارات بھی نکلتے ہیں۔ اس موقعے پر اردو کونسل بہار و جھارکھنڈ کے جوائنٹ کنوینر اور بہار اردو ایڈیٹرس کانفرنس کے جنرل سکریٹری انوار الہدیٰ نے اشرف فرید کو مومنٹو پیش کیا۔

اس علمی مذاکرے میں مہمان خصوصی کے طور پر پروفیسر شمشاد حسین، شفیع مشہدی، ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری اور ڈاکٹر رضوان احمد شریک ہوئے۔ جلسے کی نظامت ڈاکٹر اسلم جاوداں نے کی۔ (ڈاک سے)

● وارانسی، 25/جون۔ یوپی رابطہ کمیٹی کا ایک جلسہ مسلم انٹر کالج لله پورا میں ہوا جس میں کمیٹی کی وارانسی شاخ کے لیے اِن عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا: محمد شاہد ایڈوکیٹ (صدر)، ڈاکٹر محمد اکبر (نائب صدر)، حاجی محمد زبیر (نائب صدر)، عبداللہ خاں (نائب صدر)، ڈاکٹر محمد صہیب (نائب صدر)، غلام رسول ایڈوکیٹ (سکریٹری) چودھری عشرت جمیل (سکریٹری)، ڈاکٹر سلمان راغب (سکریٹری)، وسیم طاہر (سکریٹری)، حاجی سلمان شاہد (خازن)، نہال الدین (اڈیٹر)۔ ممبران کے نام اس طرح ہیں: ڈاکٹر وکالت علی، حماد منصور، غلام نبی، خورشید احمد، ڈاکٹر عبدالرحیم، عبداللہ فیصل، اخلاق احمد، نسیم محمد خاں، آفاق علی، جمال الدین، نسیم اللہ خاں عرف لڈن، ڈاکٹر اکبر علی، عبدالملک ابراہیمی۔ (راشٹریہ سہارا دہلی)

● نئی دہلی، 25/جون۔ دہلی کی فعال ادبی تنظیم "بزمِ ہم قلم" کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ڈاکٹر نگار عظیم کی صدارت میں منعقد ہوئی جس کی نظامت ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے کی۔ تنظیم کے چھ سال کامیابی سے مکمل کرنے پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ ساتھ ہی مجلس کے اراکین کی تعداد میں اضافہ کرنے پر بھی غور و خوض ہوا۔ متفقہ طور پر افسانہ نگار انجم عثمانی، صحافی و مزاح نگار عبدالعظیم صدیقی صحافی و ادیب سرور یوسف اور شاعر و صحافی معین شاداب کو مجلسِ عاملہ کے رکن کے طور پر شامل کیا گیا۔ (قومی آواز دہلی)

● سستی پور۔ اردو کے نقاد ڈاکٹر اسلام عشرت کو ساہتیہ کار سنسد سستی پور کے صدر ڈاکٹر ہری ونش ترون کے ہاتھوں اور سکریٹری ناشاد اورنگ آبادی کی سربراہی میں ایک اعزازی تقریب میں ان کی تصنیف "جاں نثار اختر۔ شاعر جدید" پر "ڈاکٹر عنوان چشتی کل ہند قومی ادبی ایوارڈ" سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر اسلام عشرت اردو میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں نیز مختلف ادبی، ثقافتی اور تعلیمی اداروں سے بھی وابستہ ہیں۔ (ڈاک سے)

رسم اجرا

اندر ایک آسمان

● نئی دہلی، 14/جون۔ ادب کے خزانے کو اپنے خزانے پر ترجیح دیتے ہوئے مرکزی وزیرِ خزانہ یشونت سنہا نے آج معاشرتی زندگی سے مکمل طور پر مربوط اردو شاعری کو ہندستانی تہذیب کی نمایاں پہچان قرار دیا۔ ممتاز مراٹھی شاعر گیانیشور مولے کی شاعری کے اوّلیں اردو مجموعے "اندر ایک آسمان" کا اجرا کرتے ہوئے مسٹر سنہا نے اردو سے اپنی گہری وابستگی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس زبان کی شاعری نے معاشرتی زندگی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ مجموعے کو مکتبہ استعارہ نے شائع کیا ہے۔ ہندی کے معروف ادیب کملیشور نے گیانیشور مولے کی شاعری کو ہر زبان میں پڑھی جانے والی شاعری قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان کی بعض نظمیں انفرادی پہچان رکھتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ بات کم اہم نہیں کہ سرکاری ملازمت میں رہتے ہوئے بھی انھوں نے اپنے اندر کی بغاوت کی چنگاری کو بجھنے نہیں دیا۔

گاندھین ان ایکشن کے مدیر جتندر سنگھ نے آئندہ ماہ ماریشس میں سفارتی عہدے پر فائز کیے جانے والے گیانیشور مولے کے سامنے ماریشس

میں ہندی اردو مشترکہ بھون تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ اردو سے قربت ہندی زبان کو مزید پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرے گی۔

ممتاز اردو ناقد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے نئی شاعری کے بڑے امکانات کے حوالے سے گیانیشور مولے کی شاعری کو موجودہ معاشرے کی ایک اہم ضرورت قرار دیا اور کہا کہ جن موضوعات کا انھوں نے احاطہ کیا ہے وہ انھی کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے کہا کہ "اندر ایک آسمان" میں نہ صرف ڈکشن اچھا ہے بلکہ ہر طرح کے رنگ دیکھے جاسکتے ہیں موسم کا بھی اور عشق کا بھی۔ اس موقع پر گیانیشور مولے نے اپنی کئی نظمیں سنائی جن میں موجودہ حالات پر ان کی نظم "رات گجراتن" خاص طور پر پسند کی گئی۔ نقابت کے فرائض مدیر "استعارہ" صلاح الدین پرویز نے انجام دیے۔

(قومی آواز دہلی)

اگلے پڑاؤ سے پہلے

● کولکاتا۔ گزشتہ دنوں اویئر کی جانب سے منعقد ایک یادگار ادبی محفل میں ممتاز شاعرہ ڈاکٹر شہناز نبی کی نظموں کے مجموعے "اگلے پڑاؤ سے پہلے" کی رونمائی کا فریضہ بایاں محاذ کے چیئرمین جناب بمان بوس نے انجام دیا۔ اس خصوصی تقریب میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر شافع قدوائی اور جے پور سے جناب ش. ک. نظام نے شرکت کی۔ صدارت کے فرائض مغربی بنگال پبلک سروس کمیشن کے سابق ممبر پروفیسر اعزاز افضل نے انجام دیے۔

بمان بوس نے رسم رونمائی انجام دیتے ہوئے اردو میں تقریر کی اور کہا کہ میں اردو تو نہیں جانتا لیکن اس زبان کی مٹھاس اور لطافت کا معترف ہوں۔ شہناز نبی اردو کی ایک اچھی شاعرہ ہیں۔ اس مجموعے میں شامل چند نظمیں انھوں نے انگریزی میں ترجمہ کرکے بھیجی تھی جن سے میں بہت متاثر ہوا۔

ش. ک. نظام نے اپنی تقریر میں غزل اور نظم کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ نظم میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ شہناز نبی نے اس مجموعے میں خوبصورت اور متاثر کرنے والی نظموں کا جو حسین گلدستہ پیش کیا ہے اس کی خوشبو سے ذہن کو تازگی ملتی ہے۔ پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شاعرہ سے میری پہلی شناسائی بحیثیت ایک قاری کے ہوئی۔ ان کے پہلے شعری مجموعے "بھیگی رتوں کی کتھا" کے مقابلے میں نئے مجموعے میں ان کا فن زیادہ نکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ پروفیسر شافع قدوائی نے کہا کہ میں ان کی نظموں کا دل سے مداح ہوں۔ نقیب محفل پروفیسر حیدر صفت کی دعوت پر جناب سعید پریمی، ڈاکٹر شمیم انور، ڈاکٹر یوسف تقی، ڈاکٹر خواجہ نسیم اختر اور ابوذر ہاشمی نے اپنے تاثرات پیش کیے۔

ڈاکٹر شہناز نبی نے کہا کہ میرا یہ شعری مجموعہ تنہا عورتوں کے نام ہے۔ میں ذاتی طور پر تمام حضرات کی بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے اس تقریب میں شرکت کرکے اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔

پروفیسر اعزاز افضل نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ہندستان کی پانچ بہترین شاعرات کا اگر انتخاب کیا جائے تو اس میں ایک نام شہناز نبی کا ہوگا۔ اخیر میں اویئر کی صدر محترمہ بے نظیر عمر نے بیرونی اور مقامی مہمانان حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس خوبصورت تقریب کے اختتام کا اعلان کیا۔

(ڈاک سے)

معجزہ

● 22/جون 2002۔ بزم شیراز دلی کی جانب سے خوش فکر شاعر شہباز ندیم ضیائی کے پہلے نعتیہ مجموعے "معجزہ" کی تقریب اجرا راجندر بھون، نئی دہلی میں منعقد ہوئی۔ صدارت ڈاکٹر سید فاروقی نے کی اور اجرا بدست مولانا اخلاق حسین قاسمی عمل میں آیا۔ مولانا نے فرمایا کہ آج پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی سخت ضرورت ہے اور اس کے لیے لازمی ہے کہ "آپ کا پیغام ہر شخص تک پہنچے۔ اس میں شعرا اور ادبا بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے فن سے نوازا ہے جو لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔"

پروفیسر اختر الواسع اور جناب ابوالفیض سحر نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور شہباز ندیم ضیائی کو مبارکباد پیش کی۔ اجرا کے بعد نعتیہ مشاعرہ منعقد کیا گیا جس میں ممتاز مقامی شعرا نے شرکت کی۔ ساڑھے چھے بجے سے شروع ہونے والا یہ پروگرام تقریباً دس بجے، ناظم محفل اور کنوینر ڈاکٹر ظفر مرادآبادی کے شکریے کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ (ڈاک سے)

علامہ ارشد القادری نہیں رہے

● 29/اپریل 2002 پیر کی شام مشہور مذہبی عالم اور صاحب طرز ادیب علامہ ارشد القادری بلیاوی دہلی میں انتقال کرگئے۔ موصوف گزشتہ کئی سال سے بیمار تھے۔ 2/مئی کو ان کی تدفین عمل میں آئی۔ علامہ قادری نے اردو میں 33 کتابیں تصنیف کیں اور چار ماہنامے اور پندرہ روزہ اخبارات کا اجرا کیا۔ مذہبی صحافت میں آپ کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ مذہبیات کے ضمن میں انھوں نے کہانیوں کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جامعہ فیض العلوم جمشید پور، فیض العلوم ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، جمشید پور، جامعہ حضرت نظام الدین اولیا نئی دہلی، جامعہ مدینۃ الاسلام (ہالینڈ)، ادارۂ شرعیہ بہار پٹنہ کے علاوہ درجنوں مدارس و مکاتب کے وہ بانی تھے۔ ورلڈ اسلامک مشن، برطانیہ اور عالمی تحریک دعوت اسلامی کے بھی وہ بانی تھے۔ □□□

تبصرہ و تعارف

فلسفیانہ تجزیہ: ایک تعارف / جان ہاسپرس

ترجمہ: ڈاکٹر سلطان علی شیدا

607 صفحات، -/120 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: فیروز عالم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اپنی تشکیلِ نو کے بعد سے دل چسپی سے اردو زبان وادب کے فروغ کا جو کام شروع کیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ زبان سکھانے سے لے کر اردو کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے تک اور تقریباً تمام علمی و ادبی موضوعات پر کتابیں شائع کر کے قومی کونسل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ واقعی اردو زبان کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔ یہ ادارہ اردو زبان وادب کے دامن کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ تشنگانِ علم و ادب کے ذوق و شوق کی بھرپور سیرابی کر رہا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب "فلسفیانہ تجزیہ: ایک تعارف" اس ادارے کی ایک اور اہم پیش کش ہے۔ یہ فلسفے کے موضوع پر لکھی گئی جان ہاسپرس کی بڑی اہم تخلیق ہے جس میں فلسفے سے متعلق اہم مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کے مترجم ڈاکٹر سلطان علی شیدا نے ترجمے میں اپنے قاری کو پیش نظر رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مقامات پر انھوں نے ہندستانی مثالیں دی ہیں تاکہ قارئین آسانی سے بات کی تہہ تک پہنچ سکیں۔

مصنف نے آغاز میں لفظ اور معنی کے اہم رشتے پر تفصیلی بحث کی ہے اور لفظ و معنی کی مختلف جہتوں سے واقف کرایا ہے۔ اس دلچسپ گفتگو کے درمیان مصنف نے 'فلسفہ' کا تعارف بھی پیش کر دیا ہے اور بات سے بات نکالتے ہوئے بامعنی اور بے معنی جملوں پر بھی خاصی گفتگو کی ہے۔ لفظ و معنی پر بحث کرتے ہوئے غیر محسوس طریقے سے مصنف ہمیں علم کی بحث تک لے آتا ہے اور علم کی تعریف و حدود متعین کرنے سے قبل تصور اور صداقت کی بحث چھیڑتا ہے اور انھیں علم کے حصول کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔ بقول جان ہاسپرس "صداقت کا تصور علم کے تصور میں شامل ہے۔" اس مباحثے سے آگے بڑھتے ہوئے مصنف علم کے ماخذ حسّی تجربہ، عقل، سند، وجدان، الہام اور اعتقاد سے قاری کو روشناس کراتا ہے اور آخر میں مختلف مثالوں کے ذریعے علم کی ایک قابلِ قبول تعریف پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ علم کے بعد منطق کے اصولوں پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اور ارسطو کے تین قوانینِ فکر، اصولِ عینیت، اصولِ غیر تناقص اور اصولِ امتناعِ اوسط کا تجزیہ کیا گیا ہے، ساتھ ہی ان اصولوں پر جو اعتراضات ہوئے ہیں ان کا بھی جائزہ لیا ہے۔ تجربی علم کے باب میں تجویزی قانون اور قانونِ فطرت اور ان سے متعلق مفروضات زیر بحث آئے ہیں۔ یہاں استقرا کے مسئلے پر بھی غور کیا گیا ہے۔ تجربی علم کے اہم پہلو 'علّت' پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے مصنف نے 'جبر و اختیار' کے فلسفیانہ مسائل پر بھی طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ اس بحث کی ابتدا کرتے ہوئے جان ہاسپرس لکھتا ہے کہ "اگر ہر چیز جو واقع ہوتی ہے، سبب رکھتی ہے تو ہم ایک جبریت کی کائنات میں رہتے ہیں یا بالفاظِ دیگر جبریت صادق ہے اور اگر جبریت صادق ہے تو انسانی اختیار کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔" جبریت اور انسانی اختیار کی یہ بحث کافی طویل چلی ہے اور اس میں تقدیریت، لاجبریت، اتفاق وغیرہ مسائل خصوصیت سے زیر بحث آئے ہیں۔ نتیجے کے طور پر انسان کو ایک حرکی ہستی قرار دیا گیا ہے جو اپنے اعمال کا اصل منبع ہے۔

علم کے مسئلے سے جڑا ہوا ایک اور اہم مسئلہ مابعد الطبیعات کا ہے۔ ایک پر بحث کے دوران دوسرے پر گفتگو از حد ضروری ہے۔ اس لیے مصنف نے مابعد الطبیعاتی مسائل (ثابتے اور کلیات، تعقلیت، مادہ اور زندگی، ذہن و جسم، ذات، عینیتِ ذات، لافانیت اور یادداشت کے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔

مذہب شروع سے فلسفے کا ایک بڑا اہم موضوع رہا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں اس پر بھرپور انداز میں قلم اٹھایا گیا ہے۔ مذہب، خدا کا وجود، خدا پر یقین، خدا کے وجود کی مختلف دلیلیں، کائنات کی آفرینش، خیر و شر کی بحث اور تصوف اور اس سے جڑے مختلف مسائل، یہ فلسفیانہ موشگافیاں اس کتاب کی زینت بنی ہیں۔ خدا کے وجود کے بعد جان ہاسپرس نے عالمِ طبیعی کی اشیا کے وجود کا منطقی جواز حسّی تجربے کے ذریعے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ "میں انھیں (اشیا کو) دیکھتا اور چھوتا ہوں اور اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو میں انھیں کیوں کر دیکھ اور چھو سکتا۔ اس مباحثے کو آگے بڑھاتے ہوئے حقیقت، تصوریت، مظہریت اور متبادلات پر مزید گفتگو کی گئی ہے اور کتاب کے آخر میں اخلاقیاتی مسائل زیر غور آئے ہیں۔

بہ اعتبار مجموعی یہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اور فلسفے کے طلبہ اور اس کا ذوق رکھنے والے قارئین کے لیے ایک خوبصورت تحفہ ہے۔

خلجی خاندان / مصنف: کے ایس لال

مترجم: ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

412 صفحات، -/88 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی-110066

مبصر: منور حسن کمال

ہندستان کے مسلم حکمرانوں میں خلجی خاندان کا اہم کردار رہا ہے۔ تیرھویں صدی عیسوی کے اواخر اور چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں خلجی حکمرانوں نے ہندستان کا منگولوں سے دفاع کیا۔ انھوں نے نیا شہر بھی بسایا اور شاندار عمارتیں تعمیر کیں۔ خلجی خاندان کی سب سے نمایاں شخصیت علاؤالدین خلجی کی ہے۔ اس نے نظم و نسق کے قیام، معاشی ضوابط کے استحکام اور مالی و فوجی اصلاحات کے سلسلے میں اہم کارنامے انجام دیے۔ علاؤالدین کے زمانے میں اُمرا کو سر اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی، جو ایک مطلق العنان حکمراں کے لیے ضروری ہے۔ اس کے عہد میں شراب اور دوسری نشیلی اشیا پر بھی پابندی لگائی گئی۔ اس کے احکام کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے، بغاوتیں فرو ہوگئیں اور اس کی حکومت کی عوام توصیفی نظروں سے دیکھنے لگے۔ علاؤالدین نے انعام میں دی گئی زمینیں واپس لے لیں، جس سے امرا کی بے عملی اور کسل مندی غائب ہوگئی۔ زیرِ نظر کتاب میں ان سب چیزوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور تاریخ کی مستند کتب کے حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ مستند کتابوں میں ضیاء الدین برنی کی "تاریخ فیروز شاہی" امیر خسرو کی "خزائن الفتوح" اور خواجہ عبداللہ ملک عصامی کی "فتوح السلاطین" شامل ہیں۔ ابوالفضل کی "آئینِ اکبری" سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان مبارک باد کی مستحق ہے، کہ اس نے تاریخ کے حوالے سے بنیادی اور بامقصد کتابوں کو کم سے کم قیمت پر مہیا کرانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، جس میں وہ کامیاب بھی ہے۔ تاریخی کتابیں بالعموم اتنی گراں ہوتی ہیں کہ ایک عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہو جاتی ہیں۔ مترجم ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے ترجمے میں سادہ اور سلیس زبان استعمال کی ہے۔

•

اصولِ طب / حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی

صفحات 538، -/116 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی

مبصر: فیضان احمد جیراجپوری

علم طب زمانۂ قدیم سے ہی قدر و منزلت کا حامل رہا ہے۔ جڑی بوٹیاں ہی علاج کی موثر و موجب تھیں اس لیے اس علم میں عرب، یونان، چین، ہندستان، ایران اور یورپ سے تعلق رکھنے والے اطبا نے مشاہدہ و تحقیق اور تجربات کی روشنی میں نئی نئی راہوں کی نشاندہی کر کے کاروانِ طب کو ان پر رواں دواں رکھا ہے۔

ہر علم کی طرح اس علم میں بھی تجدید کی ضرورت تھی۔ بہت سے اطبا نے اس موضوع پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق بہت کچھ لکھا لیکن وہ پیاس نہیں بجھ پا رہی تھی جو ایک کلیات سے بجھتی، ایک ایسی کلیات جو طب کے مختلف شعبوں پر محیط ہو اور سلیس اور سریع الفہم بھی ہو۔ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی نے اس فریضے کو انجام دیتے ہوئے اصول طب کے نام سے نہایت جامع اور مفید کلیات تیار کی ہے جو طلبہ کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے لیے بھی راہیں ہموار کرے گی کیوں کہ یہ کلیات علمی و عملی دونوں اعتبار سے ان جملہ طبی اصول و ضوابط پر حاوی ہے جن کا جاننا از بس ضروری ہے۔

پروفیسر ہمدانی نے علم طب کی مستند کتب مثلاً "القانون فی الطب"، "کامل الصناعۃ" اور ذخیرۂ خوارزم شاہی" کی رو سے اس کتاب کو مندرجہ ذیل شعبوں پر منقسم کیا ہے:

(الف) کلیات امور طبیعہ (ب) کلیات اسباب و امراض و اعراض (ج) کلیات نبض بول و براز (د) کلیات ادویہ (ہ) کلیات علاج۔ کلیات کے مذکورہ شعبوں پر الگ الگ مستقل کتابیں دستیاب ہیں لیکن پروفیسر ہمدانی نے اس کو ایک جگہ مرتب کر کے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ باب اوّل۔ "کلیات امور طبیعہ" میں انھوں نے علم طب اور اس کے موضوعات، اس کا تاریخی خاکہ اور بالخصوص ہندستان میں اس کے رول پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسرا باب "کلیات امراض و اسباب و اعراض" ہے احوال و اسباب مرض سے متعلق ہے۔ تیسرے باب کلیات نبض بول و براز" میں مصنف نے نبض کی ماہیت، اس کے معائنے کی شرائط اور دیکھنے کا طریقہ اور اس کی اقسام کی وضاحت کی ہے نیز بول و براز کی ماہیت اور شرائط معائنہ کے بارے میں مفصل روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کے ذریعے تشخیص کے لیے مہارت تامہ کی ضرورت ہے۔ چوتھے باب "کلیات ادویہ اور تعارف تاریخی" میں مزاج ادویہ، کیفیات ادویہ اور ان کی تاثیرات سے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے نیز اشکال ادویہ اور اقسام ادویہ بلحاظ افعال و خواص کی تشریحات جو مصنف نے کی ہیں وہ قابلِ مطالعہ ہیں۔ پانچویں باب میں علاج کے کلی طریقوں ــــ علاج بالتدبیر و بالتغذیہ، علاج بالادویہ، علاج بالید کے علاوہ اسہال، دوران اور اورام کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ آخری باب نسخہ نویسی ہے جس میں امراضِ اعضائے نفسانیہ، امراضِ اعضائے حیوانیہ اور امراض

اعضائے طبیعہ کو بالخصوص اجاگر کیا ہے۔ امید ہے کہ طلبہ کے علاوہ اساتذہ میں بھی اس کتاب کی پذیرائی ہوگی۔

•

1857 کے غداروں کے خطوط / سلیم قریشی، سید عاشور کاظمی

242 صفحات، -/125 روپے
ناشر: انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر، راؤز ایونیو، نئی دہلی
مبصر: ظفر احمد نظامی

ہندستان کی پہلی جنگِ آزادی تاریخ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا آغاز 10 / مئی 1857 کو اس وقت ہوا جب ہندستانی فوجیوں نے گائے اور سور کی چربی سے بنائے گئے کارتوسوں کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور انگریز افسروں کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے انھیں قتل کر دیا۔ دوسرے دن انھوں نے دہلی پہنچ کر مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر کو شہنشاہ ہندستان کے لقب سے ملقب کرکے ہندستان کی کمان ان کے سپرد کردی۔ میرٹھ سے سلگنے والی یہ چنگاری آگ بن کر ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ اگرچہ بعد ازاں انگریز مورخوں نے اسے "غدر" یا فوجی بغاوت سے تعبیر کیا لیکن ہندستان کے تاریخ نویسوں نے اسے پہلی جنگِ آزادی سے موسوم کیا۔ اس موضوع پر بے شمار کتابیں آچکی ہیں جن میں 1857 کے واقعات تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں۔ حصولِ آزادی کے بعد ملک کے پہلے وزیرِ تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے نامور مورخ ایس این سین سے اس موضوع پر ایک مستند تاریخ قلمبند کرائی تھی جسے پبلی کیشن ڈویژن نے شائع کیا تھا، تاہم اب بھی اس اہم موضوع کے کئی ایسے پہلو ہیں جو تشنۂ اظہار ہیں۔

"1857 کے غداروں کے خطوط" ایک ایسی ہی کتاب ہے جو سلیم قریشی اور سید عاشور کاظمی نے مرتب کی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن "اس گھر کو آگ لگ گئی" کے عنوان سے 1993 میں شائع ہوا تھا جو چھ مہینے ہی میں ختم ہوگیا۔ اس کی مانگ بڑھتی گئی اس لیے اب اس کو "اٹھارہ سو ستاون کے غداروں کے خطوط" کے عنوان سے دوبارہ انجمن ترقی اردو ہند نے شائع کیا ہے۔ یہ خطوط انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز لندن میں محفوظ ہیں۔

ان خطوط کی مجموعی تعداد 143 ہے جو مختلف مخبروں کے ذریعہ خفیہ رپورٹوں یا اطلاعات کی شکل میں ان کے افسروں کو وقتاً فوقتاً بھیجے جاتے رہے اور 16 جون 1857 سے 17 ستمبر 1857 تک کا احاطہ کرتے ہیں۔ جن مخبروں نے یہ رپورٹیں یا اطلاعات فراہم کی تھیں ان میں رجب علی، جواہر سنگھ، امی چند، میر محمد علی، محبوب خاں، ہرچند گوسائیں، میگھو راج، گوپال، رانگھی داس، تولی، ہرگوبند، راجن گوجر، رستم علی، گوری شنکر، تراب علی، داتا رام، فتح محمد خاں جیسے افراد اہمیت کے حامل تھے۔ وہ باقاعدہ مجاہدین کی سرگرمیوں سے اپنے افسروں کو باخبر رکھتے تھے۔ یہ خبریں اور اطلاعات مختصر ہوتی تھیں لیکن بڑی اہم ہوا کرتی تھیں۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ جاں بازوں کے عزائم اور ان کی جدوجہد کو خاک میں ملا دیں۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو شاہی دربار سے وابستہ رہ کر حریت پسندوں کا اعتماد حاصل کرکے مجاہدین کی جنگی مشاورتی کونسل میں شامل رہے اور مجاہدین کے منصوبوں اور سرگرمیوں سے انگریز افسروں کو باخبر رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں میں مرزا الٰہی بخش، رجب علی، گوری شنکر اور جیون لال جیسے افراد شامل تھے۔

یہ مخبر مجاہدین کی فوجوں کی تعداد، ان کے حالات، جائے وقوع، حوصلے، تدابیر اور مجاہدین پر بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے اثر و رسوخ سے متعلق خبریں فراہم کرتے تھے۔ یہ وہ دستاویزات تھیں جو اہم اور نایاب ہوا کرتی تھیں جو ان شائع شدہ رپورٹوں سے مختلف تھیں جو بغاوت کے فرو ہونے کے بعد قلمبند کی گئیں۔ مولوی رجب علی بادشاہ کی مشاورتی کونسل کارکن اور بارود خانے کا داروغہ بننے میں کامیاب ہوگیا تھا اس نے مجاہدوں کے بارود خانے کو تباہ کرکے حریت پسندوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس نے سقوطِ دہلی کے بعد مرزا الٰہی بخش کے ساتھ مل کر بادشاہ اور شہزادوں کو میجر ہوڈسن کے حوالے کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد ازاں اسے انگریزوں کے ذریعے خطابات اور انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ اس طرح الٰہی بخش بھی اعزازات کے حصول میں کامیاب رہا۔

جو اطلاعات انگریزوں کو بہم پہنچائی گئیں ان میں روٹی کی تحریک سے متعلق تفصیل، جنرل بخت خاں، جنرل سدھارا سنگھ اور مرزا مغل کی فوجی سرگرمیاں، گائے کا ذبیحہ، شہزادوں کا قتل، گوالیار سے فوجی دستے کی آمد، زینت محل کی سرگرمیاں، چندیری کے راجا کا ایک فقیر کے ذریعے پیغام بھیجنا، مجاہدین کی فوجوں کے پاس گولہ بارود کی کمی، انھیں مختلف جگہوں سے کمک، نئے بارود کی تیاری، فوجوں کی پوزیشن، مجاہدین کی فوجوں کی تعداد، توپچیوں کی کمی، مجاہدین کے پاس روپیوں کی کمی، تنخواہوں کا نہ ملنا، سور کی چربی کے کارتوسوں کا استعمال کرنے سے انکار، غلے کی کمی کا واقع ہونا، حکیم احسن اللہ کے ذریعے سپاہیوں کی تنخواہ کا خرد برد کرنا، ان کے مکان کا لوٹ لیا جانا اور اس کو آگ لگا دیا جانا، بارود بنانے کے لیے گندھک کی تلاش، کارتوسوں کی ٹوپیاں بنایا جانا، اندور سے فوج کی آمد، سلیم گڑھ کے قلعے میں خزانے کے لیے کھدائی، بادشاہ کی بخت خاں سے ناراضگی، نجومیوں کی پیشین گوئیاں، بادشاہ کا ہر شخص کے لیے محاذ پر صف آرا ہونے کا حکم جاری کرنا، جیسے موضوعات شامل تھے۔ ان اطلاعات سے انگریزوں کو زبردست فائدہ

پہنچا کیوں کہ انھوں نے ان خبروں کی روشنی میں نئی منصوبہ بندی کر کے حریت پسندوں کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی بنا پر ان خطوط کو غداروں کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

ان خطوط کو انڈیا آفس لائبریری لندن میں عاشور کاظمی نے تلاش کیا اور ان کا ترجمہ سلیم قریشی نے کیا۔ سلیم قریشی نے وضاحتیں کے عنوان سے ان خطوط کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے اور سید عاشور کاظمی نے "...گھر کے چراغ" کے تحت اپنے طویل معلوماتی مضمون میں بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے اور "نور مغربی" نامی اخبار کے حوالہ سے بہت سی نئی باتوں کا انکشاف کیا ہے جو ہر ہفتے حوض قاضی سے شائع ہوتا تھا۔

مخبروں کی طرف سے موصول ہونے والے ان خطوط کی نقل تیار کرا کے میجر ہوڈسن مغربی ریاستوں کے کمشنر کے پاس انبالہ بھیج دیا کرتا تھا جو ان کا انگریزی ترجمہ کرا کے پنجاب کے چیف کمشنر کو لاہور ارسال کر دیا کرتا تھا اور وہ ان کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نوٹ لگا کر پنجاب کے جوڈیشیل کمشنر سر رابرٹ منٹگمری کو بھیج دیا کرتا تھا۔

کتاب کے ابتدائی صفحات حرف آغاز پر مشتمل ہیں جنھیں انجمن ترقی اردو ہند کے سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم نے قلمبند کیا ہے اور کتاب کے لیے مخطوطات کی فراہمی، تراجم، تلاش، ترتیب و تدوین کے لیے سلیم قریشی اور سید عاشور کاظمی کی کاوشوں کو سراہا ہے اور اس کی خصوصیات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ خطوط کا متن پیش کرنے سے پہلے مرتبین نے "چنگاری سے شعلوں تک" کے عنوان کے تحت جنگ آزادی کے اہم واقعات کا تاریخوار جائزہ لیا گیا ہے جو 23 جون 1759 سے شروع ہو کر 22 ستمبر 1857 پر محیط ہے۔

یہ کتاب تاریخ میں دلچسپی رکھنے والے تمام افراد کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور تحقیق کرنے والوں اور عہد جدید کے تاریخ دانوں کے لیے نادر تحفہ اور تاریخ کے ادب میں بیش قیمت اضافہ ہے۔

•

غالب اور ہماری تحریکِ آزادی / شمیم طارق

صفحات 192، -/200 روپے

ناشر: انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی

مبصر: جی۔ ڈی۔ چندن

مرزا غالب 1857 کی زبردست بغاوت کے نہ صرف عینی شاہد رہے بلکہ برسر اقتدار فرنگی کے شدائد کا شکار بھی ہوئے۔ اس بغاوت کی ناکامی کے بعد غالب کے کئی ہم عصر شعراء، ذی وقار احباب اور معزز پڑوسی اپنی حقیقی یا مفروضہ شرکت کی وجہ سے انتقام پسند حکام کے ناقابل بیاں مظالم اور مصائب کا نشانہ بنے۔

ان امور کے تعلق سے متعدد عالموں اور محققوں نے اس جنگِ آزادی کے بارے میں غالب کے رویے پر اظہار خیال کیا ہے اور ان میں سے بعض دانشوروں نے ان کے کلام اور خطوط کے حوالے سے انھیں نئی فکر کا نقیب، نئی قدروں کا سالار اور قومی اقتدار کے زوال کا سوگوار بیان کیا ہے۔ لیکن زیر نظر کتاب "غالب اور ہماری تحریکِ آزادی" میں بنارس کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ شمیم طارق نے اس تحقیقی روداد میں نہ صرف غالب کی حریت پسندی اور وطن دوستی کی نفی کی ہے بلکہ یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ "جس غالب کے جدید ذہن، آزادی، انکار اور احتجاج کا شاعر ہونے کی دہائی دی جاتی ہے، اس نے 1857 کے عظیم انقلاب کی چاپ کیوں محسوس نہ کی یا سن کر ان سنی کیوں کی؟"

یہ کتاب ایک طباعتِ محض نہیں بلکہ ایک تاریخی ادارے کا جدت پروری اور نظریہ افزائی کا شعوری منصوبہ ہے۔ خود مصنف نے کتاب کی سنجیدگی کے پیشِ نظر "عرضِ مصنف" میں کہا ہے کہ ان کی کتاب "غالب شکنی کی کوئی کڑی نہیں بلکہ غالب کے مختلف پہلوؤں اور گمنام گوشوں کو سمجھنے کی جستجو ہے۔" "وہ غالب کی تخلیقی قوت اور شعری عظمت کے قائل اور معتقد ہیں لیکن ان کے سیاسی شعور اور جذبہ حریت کی داد دینے سے قاصر ہیں۔ ان کی دانست میں ان کے وطن ہندستان کا 1857 کا دور سیاسی حرارت سے اس قدر تپا ہوا تھا کہ نہ صرف انگلستان کے شاعر ارنسٹ جانز اور جرمنی کے مفکر کارل مارکس ایسے غیر ملکی دانشوروں نے 1857 کے عظیم انقلاب کی چاپ انہماک سے سنی بلکہ یہ اس وقت کے فہم و دانش کے اہم قومی مرکز کلکتہ کے بنگالی ادیبوں اور شاعروں کے تخلیقی کرب میں بھی شامل رہی۔

کتاب میں صرف غالب ہی کے عرصۂ مشاغل کا نہیں بلکہ ہندستان کے 19ویں صدی کے اس پورے دور کے سیاسی شعور اور مزاج کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے مشمولات میں غالب کے 1857 کے زمانے کے نجی فارسی روزنامچے "دستنبو"، مختلف احباب کے نام 1857 کے واقعات سے متعلق ان کے 103 اردو خطوط، ان کی "خوشامدی" قصیدہ گوئی، 1857 کے بعد کے ان کے اردو کلام کا معیار، ان کے ہم عصر دینی عالم مولانا فضلِ حق خیر آبادی کی مبینہ جہادی تحریروں کی حقیقت اور ہم عصر دانشور سر سید احمد خاں کی کارگزاریوں سے تقابلی موازنہ شامل ہیں۔

مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کی یہ کتاب "غالب کے ایک نئے سیاسی مطالعے" کی حامل ہے۔ "اس کی ہر سطر محنت اور دیانت دارانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے۔" ان "نتائج" کا نچوڑ یہ ہے کہ غالب ایک ٹوڈی، حریص،

چالاک، وطن بیزار اور دروغ گو عاصی تھا جس نے اپنی تخلیقی عطا کی قدر نہ کی اور عمر کے آخری دہے میں ان کی شاعری کا زوال ان پر کفرانِ نعمت کے عوض "نازل ہونے والا عتاب" تھا (ص 144)۔ اگرچہ اپنے محاسبے میں مصنف نے کوئی "غالب شکنی" نہ کرنے کی بات کی ہے لیکن انھوں نے برملا یہ بھی لکھا ہے کہ شاعرانہ عظمت کے بیان میں غالب "سوہانِ روح" (ص 92)، قومی حمیت کے حق میں فحش گالی (ص 90)، شہیدانِ وطن کی روح کے لیے خطرہ سکون (ص 92) اور اپنی ابن الوقتی کی وجہ سے دشمنِ انسانیت (ص 114) ہیں۔

بہر حال مصنف کی اس پر مغز کتاب سے راقم السطور نے محسوس کیا کہ گو مزاج اور تشخص کے لحاظ سے غالب ایک اپی کوری (Epicure) تھے، مقدر اور زمانے کے سلوک سے وہ اک کلاسک المیہ کردار بن گئے۔ بڑھاپے میں جو 1857 کی قیامتِ صغریٰ سے نہایت بوجھل ہو گیا تھا ان کا نفسیاتی اور روحانی توازن بالکل ٹوٹ گیا۔ اس کا اظہار نواب یوسف مرزا اور نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام ان کے 27/نومبر 1859 کے دو خطوط میں بھرپور ہوا ہے، (ص 172)۔

مصنف نے ان کئی ممتاز شارحین اور محققین کے اقتباسات پیش کیے ہیں جو ان سے قبل ان عالموں نے ان ہی کے موضوع پر پیش کیے لیکن مصنف نے ان تمام وضاحتوں کو رد کر دیا ہے۔ اس کے بین السطور یہ راز بھی کھلتا ہے کہ مصنف نے اپنی دریافتوں کے زور پر دریا کے بہاؤ کے خلاف دور سے دور جانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً انھوں نے لکھا ہے کہ غالب نے زندگی بھر انگریز مخالف کوئی کام نہ کیا۔ ان پر "بہادر شاہ ظفر کے خلاف ایک سکہ کہنے کا الزام تھا وہ بھی غلط تھا۔" (ص 20)۔ لیکن مجلہ معارف کے نومبر 1958 کے شمارے میں مطبوعہ خواجہ احمد فاروقی مرحوم کی ایک تحقیقی دریافت کے مطابق غالب نے بغاوت کی مدح میں حقیقتاً ایک سکہ مرتب کیا تھا۔ اس کی اور اس کے ساتھ مزید متعلقہ شواہد کی تفصیل پروفیسر گوپی چند نارنگ کی انگریزی کتاب Urdu Language & Literature : Critical Perspectives, 1991 میں موجود ہے۔ حیرت ہے کہ مصنف نے اس کتاب کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ مزید حیرت ہے کہ مصنف نے غالب کے ہم شہر وقائع نگاروں کے ان بغاوت انگیز فارسی قلمی اخباروں کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا جنھیں اعلا ترین انگریز حکام نے غدر کا ایک بنیادی سبب قرار دیا۔

اپنی نگارشات کے آزمودہ وصف پر غالب ایک مستند شاعر اور فنکار ہیں جن کا کلام اپنے ہم عصروں اور جانشینوں پر فائق اور بالا ہے۔ اسے کسی جدید سیاسی کسوٹی پر پرکھنا مناسب نہیں ہوگا۔ مثلاً ان پر ان کے ہم عصر لیکن غیر ملکی شاعر ارنسٹ جانز اور مفکر کارل مارکس کے تاثرات کا اطلاق اگر خالصانہ نہیں تو غیر معقول ضرور ہوگا۔

بہر حال مصنف نے اپنی "دیانت دارانہ کاوش" سے جو مکالمہ شروع کیا ہے اسے جاری ضرور رہنا چاہیے۔

•

قانونِ اسلامی متعلق مسلم پرسنل لاء

مرتب: امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی
صفحات 410، 140/- روپے
ناشر: آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
مبصر: عطاء الرحمن قاسمی

پیش نظر کتاب "اسلامی قانون متعلق مسلم پرسنل لاء" مسلمانوں کے عائلی قانون (مسلم پرسنل لاء) کا دفعہ وار مدون و مرتب مجموعہ ہے، جس میں نکاح، ولایت، کفائت، مہر، حضانت، طلاق، ظہار، لعان، ایلا، خلع، تفریق، عدت، ثبوت، نسب، وقف، ہبہ، وصیت اور وراثت کے شرعی احکام کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مرتب مولانا منت اللہ رحمانی فقہی بصیرت اور تبحر علمی میں معاصر علماء میں ممتاز و نمایاں تھے۔

مولانا منت اللہ رحمانی نے تدوینِ اسلامی قانون کا بنیادی مسودہ مفتی ظفیر الدین مفتاحی مفتی دار العلوم دیوبند کی معاونت سے تیار کیا، جو قانونی زبان و بیان کے اعتبار سے ایک مکمل مسودہ تھا۔ اس کے باوجود اس کو ملک کے نامور علماء اور قانون دانوں کی خدمت میں بھیجا اور ان سے آراء و تاثرات سے طلب کیے۔ یہ مسودۂ قانون راقم الحروف کے پاس بھی آیا تھا۔ موصول شدہ آراء و تاثرات کی روشنی میں مسودے پر نظر ثانی اور بحث و مذاکرہ کے لیے صاحب قضاء و افتاء، علماء و مفتیان کو چنا جنھوں نے تدوینِ فقہ اسلامی کے مسودے پر نظر ثانی کی اور طویل بحث و تمحیص کے بعد مسودے کو آخری شکل دی۔ یہ کام مولانا منت اللہ رحمانی کی حیات میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ ان کی شدید خواہش بھی تھی کہ یہ جلد از جلد شائع ہو جائے، لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور کتاب چھپنے کی حسرت لیے ہوئے وہ اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں پہنچ گئے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی پہلی اشاعت میں کتابت و طباعت اور حوالوں کی کچھ غلطیاں و خامیاں رہ گئی تھیں اور چند دفعات بھی طبع ہونے سے رہ گئی تھیں، حتیٰ کہ مرتب کا نام بھی درج نہ ہو سکا تھا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سکریٹری مولانا محمد ولی رحمانی نے جو بورڈ کی طرف سے مسودۂ قانونِ اسلامی کی طباعت و اشاعت کے ذمے دار تھے)، ان طباعتی غلطیوں کی تصحیح، مصادر و مواخذ اور حوالے کی عبارتوں کی تنقیح و تحقیق اور

زبان و بیان کی درستگی کے بعد دوبارہ اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔

یہ مجموعہ چودہ ابواب پر مشتمل ہے اور دفعہ وار فقہی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ جہاں کہیں کسی فقہی مسئلے میں کسی قسم کی وضاحت و صراحت کی ضرورت محسوس کی گئی وہاں "تشریح" کے عنوان سے اس کی پوری تشریح کو توضیح کر دی گئی ہے اور حواشی میں تمام فقہی قوانین کی عربی عبارتیں درج ہیں جو مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اگر کوئی قاری اصل متنِ کتاب کو مصادر و مواخذ کی عبارتوں سے تطبیق دینا چاہتا ہے تو یہ حواشی اس کے لیے بے حد مفید و کار آمد ثابت ہوں گے۔

یہ مجموعہ سرکاری عدالتوں میں مسلم مرد اور عورت کے مابین واقع تنازعات کے فیصلوں میں بے حد مددگار و کار آمد ثابت ہوگا اور امید قوی ہے کہ وکلا اور جج صاحبان اس کو اپنے فیصلوں میں بطور حوالہ پیش کریں گے اور صحیح سمت و صحیح رخ پر پہنچنے میں کامیاب و کامران ہوں گے۔

•

تشکیل و تعبیر / مصنف: ناوک حمزہ پوری

مرتب: عطا عابدی

صفحات:-/150 روپے

ناشر: رفتار نو پبلی کیشنز، دربھنگہ

ملنے کا پتا: بک امپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ-4

مبصر: انور ایرج

ناوک حمزہ پوری کی کتاب "تشکیل و تعبیر" کو ترتیب دے کر عطا عابدی نے ادب نوازی کا ثبوت دیا ہے۔ نظم کی مروجہ ہیئتوں نیز اردو میں دخیل ہندی چھند سے متعلق وقتاً فوقتاً لکھے گئے مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل میں سامنے لانا ایک صبر آزما کام ہے جسے عطا عابدی نے بحسن و خوبی انجام دیا ہے۔

کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، کئی ضمنی ابواب بھی ہیں۔ پہلے باب میں نعتیہ شاعری سے متعلق ایک طویل بحث ہے جس سے اس کی تاریخ کے بہت سے پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔ "حرفِ پیشین" میں ایک قطعے یا صاحب الجمال پر عطا عابدی نے اختلاف کرتے ہوئے اس قطعے کے کسی دوسرے شاعر سے منسوب ہونے کے سلسلے میں کچھ ٹھوس دلائل پیش کیے ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے باب میں "اوزانِ رباعی" سے متعلق مدلل بحث کی گئی ہے۔ اس بحث میں رباعی کی مختصر تاریخ سمٹ آئی ہے۔ اوزان کے اعتبار سے یہ بحث بڑی کار آمد ہے۔ چوبیس، چھتیس، چون اوزان کے حوالے سے علم العروض کی روشنی میں باتیں سامنے آتی ہیں نیز یہ بات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ارکانِ اوزان کے الٹ پھیر یا تسکینِ اوسط کے زحاف کے عمل سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اوزان وضع کیے جاسکتے ہیں۔ باوجود اس کے آخر کیوں رباعی کے لیے چوبیس اوزان ہی مقرر ہوئے۔ اس پر جناب ناوک نے جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ اہمیت کی حامل ہیں۔

تیسرے باب میں ایک اہم مضمون "تاریخ گوئی میں ہمزہ کا مسئلہ" شامل ہے۔ تاریخ گوئی کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ اکثر اساتذہ اس کی طرف مائل رہے ہیں، اگرچہ اب اس کا رواج کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے۔ مضمون میں ابجد، ہوز، حطی وغیرہ کے اعداد و شمار اور اعداد و شمار کے سلسلے میں جو سہو ہوئے ہیں، ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اردو حروفِ تہجی میں ہمزہ کوئی مستقل حرف نہیں ہے لیکن عربی میں یہ ایک متحرک اور فعال حرف ہے، اسی روشنی میں اس مسئلے کو حل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ چوتھا باب جاپانی صنف، ہائیکو سے متعلق ہے۔ ہائیکو کے موضوعات پر بھی تفصیلی بحث ہے، جس سے جاپانی اور اردو ہائیکو کے مزاج کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ پانچواں باب 'ماہیا' سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مضمون کے مطالعے سے ماہیا کے مزاج، موضوعات اور اوزان کو سمجھا جاسکتا ہے۔ پنجابی میں یا اردو میں اس کی تحریری شکل اور اس کی خارجی شناخت یعنی ہیئت سے متعلق جو تنازعہ چل رہا ہے اس کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات مضمون کے مطالعے سے حل ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

چھٹا باب "اردو میں دخیل ہندی چھند" پر ہے۔ ہندی اصنافِ سخن میں دوہا، سورٹھا، رولا، کنڈلیاں، چوپیاں، آلہا وغیرہ کی ہیئت پر مختصر بحث ہے۔ ہندی پنگل کے اعتبار سے اردو اوزان کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتواں باب 'غزل' کے تعلق سے ہے۔ جس میں انھوں نے غزل کی نئی ہیئتوں مثلاً آزاد غزل، غزل نما اور ہزل کی خارجی ہیئت کی بحث کو کافی سمجھا ہے۔ آزاد غزل اور غزل نما کے درمیان جو مماثلت اور پیچیدگیاں موجود ہیں انھیں واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ اس کے علاوہ اردو کی دو پرانی اصناف واسوخت اور ریختہ سے متعلق بھی گفتگو کی گئی ہے۔

آٹھویں باب میں 'نظم' اور نظم کی مروجہ ہیئتوں پر بحث ہوئی ہے۔ آخری باب "در آمدہ صنفیں" کے عنوان سے ہے۔ جو نئی صنفیں مغربی ادب سے اردو ادب میں داخل ہوئیں مثلاً نظم معریٰ، آزاد نظم، پیروڈی، ترائیلے، سانیٹ اور ہائیکو کا احاطہ اس باب میں کیا گیا ہے۔ مغرب میں اس کی اصل ہیئت کیا تھی؛ اردو میں داخل ہو کر اس کی ہیئت میں کیا تبدیلی آئی ان تمام باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب سے مرتب کی ترتیبی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے اور 'حرفِ پیشین' کی گفتگو سے ان کی ادبی صلاحیتیں سامنے آتی ہیں۔ •••

محمد قاسم صدیقی

بچوں کا گوشہ

تین سوال

کیرالہ کے ایک گاؤں میں دو پڑوسی رہتے تھے۔ ایک کا نام سنکرن نائر تھا اور دوسرے کا چکو۔ دونوں کے گھر پاس پاس تھے۔ سنکرن نائر بڑا مذہبی آدمی تھا وہ روز صبح اُٹھ کر شیوجی کی پوجا کرتا۔ وہ بہت غریب تھا۔ اس کے بیوی اور بچے کبھی کبھی بھوکے بھی رہتے لیکن چکو بڑا امیر تھا۔ اس کا گھر دنیا بھر کی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ سنکرن نائر کا پڑوسی چکو ان کی کبھی مدد نہ کرتا۔

سنکرن نائر سے اپنے بچوں کی حالت نہ دیکھی گئی تو اس نے سوچا کہ وہ اپنے آپ کو مار ڈالے۔ یہ سوچ کر وہ دریا پر گیا اور اس میں کود پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کا سانس گھٹنے لگا۔ اس سے تکلیف برداشت نہ ہوئی جیسے ہی اس نے اپنا سر اٹھایا تو اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک بہت خوبصورت سا آدمی کھڑا ہے۔ نائر نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں اس دریا کا دیوتا ہوں۔ تم بتاؤ تمھیں کیا تکلیف ہے۔"

سنکرن نائر نے بتایا کہ وہ اپنے بچوں کے لیے پریشان ہے۔ اس کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ دیوتا کو اس پر رحم آگیا، اس نے اسے تین ناریل دیے اور کہا۔

"یہ ناریل لے جاؤ، انھیں توڑو۔ ناریل توڑتے وقت جو تم مانگو گے وہ تم کو مل جائے گا۔" یہ کہہ کر دیوتا غائب ہو گئے۔

نائر گھر واپس آیا۔ اس نے ایک ناریل توڑا اور اُسے توڑتے وقت ایک بہت شاندار گھر کی خواہش کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوبصورت گھر بن کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے گھر کے لوگ اس گھر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے فوراً ہی دوسرا ناریل توڑا اور کہا "مجھے بونے اور جوتنے کے لیے بہت اچھی سی سو بیگھا زمین چاہیے جس میں بہت اچھے دھان ہو سکیں۔" اس کا یہ کہنا تھا کہ اس کے گھر کے سامنے ہی تمام جنگل صاف ہو تا چلا گیا اور اس کی بجائے بہت اچھی زمین نظر آئی۔

اس کے بعد اس نے تیسرا ناریل توڑا اور کہا "مجھے بہت سارو پیہ چاہیے تاکہ میں آرام کی زندگی گزار سکوں"۔ ابھی اس نے جملہ پورا بھی نہ کیا تھا کہ کھن کھن روپے برسنے لگے اور روپیوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اب تو وہ بہت آرام سے رہنے لگا۔ سب کا خیال رکھتا، کبھی کسی غریب کو واپس نہ کرتا۔ اس کے اس طرح سے امیر ہو جانے سے چکو کو بہت غصہ آیا وہ اس سے جلنے لگا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ نائر کس طرح سے امیر ہو گیا۔ اس کے پاس اتنی بہت سی دولت کہاں سے آئی۔ آخر اس نے سوچا کہ خود نائر سے چل کر پوچھنا چاہیے۔

نائر نے اس سے کوئی بات بھی نہ چھپائی۔ اس نے چکو کو پوری کہانی سنا دی۔ چکو نے سوچا کہ یہ تو آسان ترکیب ہے وہ بھی اس طرح اور امیر ہو سکتا ہے۔ وہ بھی دریا پر گیا اور دریا میں کود گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ باہر آیا تو اس نے دیوتا کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا۔ دیوتا نے چکو کو دیکھا تو وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے دل میں سوچا کہ اسے اس کی نیت کی سزا ضرور دینی چاہیے۔ دیوتا نے چکو کو بھی تین ناریل دیے اور اس کو بھی وہی باتیں بتائیں جو نائر کو بتائی تھیں۔

چکو خوش خوش اپنے گھر واپس آیا۔ اس نے ایک ناریل توڑنے کے لیے اٹھایا۔ ابھی اس نے ناریل توڑا بھی نہ تھا کہ ایک فقیر داخل ہوا اور اس سے بھیک مانگنے لگا۔ چکو کو بہت غصہ آیا۔ اس نے ناریل توڑا اور چلا کر نوکروں سے کہا "کہاں غائب رہتے ہو، اُسے نکالو اور یہاں سے مر جاؤ!" اس کا یہ کہنا تھا کہ سب نوکر مر گئے۔ اب تو چکو کے ہاتھ پیر کانپنے لگے، وہ تو غصے میں تھا۔ وہ انھیں مارنا نہیں چاہتا تھا بلکہ "مر جاؤ" کہہ کر غصہ کرنا چاہتا تھا۔ اب کیا ہوگا۔ اس نے جلدی سے دوسرا ناریل توڑنے کے لیے اُٹھایا۔ فقیر پھر آگے بڑھا اور اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ چکو کو اور زیادہ غصہ آیا۔ اس نے ناریل توڑا اور توڑتے ہوئے کہا کہ "یہ سب نوکر زندہ ہو جائیں۔" اور پھر فقیر کی طرف دیکھ کر بولا "کیوں ہنس رہا ہے؟ کیا میرے سر پر سینگ ہیں؟ یہ کہنا تھا کہ سب نوکر زندہ ہو گئے لیکن چکو کے سر پر سینگ نکل آئے۔ فقیر نے پھر قہقہہ لگایا چکو کی حالت خراب تھی۔ اس نے اپنا سر دیکھا اور پھر ناریل کی طرف دیکھا۔ تیسرا ناریل اُٹھایا اور اسے یہ کہہ کر توڑا کہ اس کا سر ٹھیک ہو جائے۔ ناریل کے توڑتے ہی سینگ غائب ہو گئے۔ اب اس نے فقیر کی طرف دیکھا مگر فقیر تو غائب ہو گیا تھا۔ دراصل دیوتا نے خود فقیر کا بھیس بدل لیا تھا اور چکو کو سزا دی تھی۔

چکو کو ان ناریلوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ سب لوگ اس کا مذاق اُڑانے لگے۔

(بھارت کی لوک کتھائیں، پہلا حصہ سے ایک کتھا)

اردو زبان کی تدریس

معین الدین

اردو کیسے پڑھی اور پڑھائی جائے
درس و تدریس کے جدید سائنٹفک اصولوں کی
روشنی میں تدریسی طریقۂ کار کا تعین
طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید۔

پانچواں ایڈیشن

صفحات: 148 ، قیمت: 29.00

ہندوستان کا شاندار ماضی

مصنف: اے ایل باشم

مترجم: سید غلام سمنانی

ہندوستان کے قدیم تہذیب و تمدن کا مفصل اور
مکمل تعارف مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں

دوسرا ایڈیشن

صفحات: 748 ، قیمت: 145.00

اتر پردیش کے لوک گیت

اظہر علی فاروقی

ہمارے لوک گیتوں میں ہندوستان کی عوامی
زندگی کی بھرپور ترجمانی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں
اظہر علی فاروقی نے اتر پردیش کے وہ تمام گیت
یکجا کر دیے ہیں جو مختلف موقعوں پر عوام کے
دکھ سکھ کی ترجمانی کرتے ہیں

صفحات: 652 ، قیمت: 120.00

6/جولائی 2002 کو ترو آننت پورم میں شری تال کتو سوتی (کیرل کے وزیر تعلیم) کیرل ہندی پرچار سبھا کمپیوٹر سینٹر میں قومی اردو کونسل کے تعاون سے جاری
ایک سالہ ڈپلومہ ان کمپیوٹر ایپلی کیشن اینڈ ملٹی لینگول ڈی.ٹی.پی. کی اسناد طلبہ کو تفویض کرتے ہوئے۔

نامپلی میں قومی اردو کونسل کے تعاون سے جاری کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ فار ویمن کا دوسرا Batch 8/جولائی 2002 سے شروع ہوا۔ اس موقعے پر منعقدہ
استقبالیہ جلسے میں آل انڈیا اردو ایجوکیشنل کمیٹی کے چیئرمین جناب محمد جلیل پاشا کے ہمراہ طالبات کا فوٹو سیشن۔

RNI No. 70323/99

DL-15052 / 2002

URDU DUNIYA Monthly, August 2002, Vol. 4, Issue: 8
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Secondary & Higher Education, Ministry of H.R.D., Government of India, New Delhi

ہندستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں

مصنف: گوپی چند نارنگ

نہایت تلاش اور تحقیق سے اردو مثنویوں کی ہندستانی بنیاد کو جانچا پرکھا گیا ہے۔ مصنف نے تحقیق کے ان [illegible] کو جو نظروں سے اوجھل تھے، یکجا کر کے ایک داستان مرتب کی ہے۔

364 صفحات۔ قیمت 200 روپے

ساحری، شاہی، صاحب قرانی

داستان امیر حمزہ کا مطالعہ (جلد اول، نظری مباحث)

مصنف: شمس الرحمن فاروقی

46 جلدوں پر مشتمل اردو کی ایک طویل داستان کے مطالعے کی پہلی جلد جس میں شمس الرحمن فاروقی نے زبانی بیانیہ، داستان اور داستان امیر حمزہ سے متعلق ضروری نظری مباحث بیان کیے ہیں۔

558 صفحات۔ قیمت 180 روپے

اردو زبان کا جادو

مرتبین: مسز ایل۔ شیلا کماری، پروفیسر ماہ جبیں نجم

اردو سکھانے والی دو آسان کتابیں جو تدریس زبان کے جدید سائنٹفک اصولوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہیں۔ یہ کتابیں بچوں کے ساتھ ساتھ اردو سیکھنے والے بالغوں کے لیے بھی کارآمد ہیں۔

434 صفحات۔ قیمت 69 روپے

زبان اور قواعد

مصنف: رشید حسن خاں

مضامین کے اس مجموعے میں املا اور استعمال عام، متروک حروف علت، ترکیب بند، متروک اور مروج الفاظ جیسے موضوعات پر عالمانہ مباحث شامل ہیں۔

تیسرا ایڈیشن، 503 صفحات، قیمت 120 روپے

تاریخ تحریک آزادی ہند

(چار جلدوں میں)

مصنف: تارا چند

جدید ہندستان کی اس اہم تاریخ میں ہندستان میں برطانوی حکومت کے [illegible] کے حوالے سے [illegible] کو قلم بند کیا گیا ہے۔

2728 صفحات۔ قیمت 1311 روپے (مکمل سیٹ)

جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندستان کی کہانی

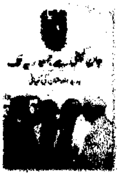

ممتاز مورخ پروفیسر مشیر الحسن نے اس کتاب میں جدید ہندستان کی تاریخ فنکارانہ طرز بیان اور سائنٹفک انداز میں پیش کی ہے۔ تاریخ یوں بھی دلچسپ موضوع ہے لیکن پروفیسر مشیر الحسن کے اختیار کردہ طریقے نے کتاب کو [illegible] کے ردعمل نے [illegible] کی نمائندگی کرتے ہیں [illegible] دی ہے۔

مترجم: مسعود الحق، صفحات: 345، قیمت: 114

ہندستان کا نظام جمال

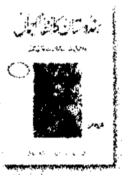

ہند جمالیات سے جمالیات غالب تک

مصنف: شکیل الرحمن

ہندستان کی [illegible] تہذیب کے پس منظر میں [illegible]

[illegible]

کل سیٹ تین جلدوں میں — 918 صفحات۔ قیمت 1311 روپے

دربار اکبری

مولانا محمد حسین آزاد کی اس تصنیف میں [illegible]

[illegible]

دیباچہ اور انتخاب: پروفیسر [illegible]

327 صفحات۔ قیمت 150 روپے

Printed and Published by Dr. M. Hamidullah Bhat, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, Printed at J.K. Offset Printers, Jama Masjid, Delhi-110006 and Published at NCPUL, West Block-I, Wing-6, R.K. Puram, New Delhi-110 066. Editor Dr. M. Hamidullah Bhat. Tel : 6103381, 6103938